جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ

دسمبر ۱۹۹۲ء

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۱ | جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ ـ دسمبر ۱۹۹۲ء | شمارہ : ۳

مدیر
سید محمود میاں
مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک :

فی پرچہ ۱۰ روپے ○ زرسالانہ ۱۰۰ روپے

رابطہ کے لیے
دفتر ماہنامہ " انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ لاہور کوڈ ۵۴۰۰۰
فون ۲۰۱۰۸۶ — ۲۰۵۳۸۸

دفتر - ماہنامہ انوار مدینہ
جامعہ مدنیہ کریم پارک نمبر 3
201086

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
دَورِشباب اور دَورِشباب سے کچھ آگے	مولانا سیّد محمدّ میاں	۱۳
مکتوب گرامی	شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی	۲۴
نعت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم	جناب انورؔ صابری	۲۸
اسلام اور سائنس	حضرت مولانا مفتی محمود	۲۹
مضاربہ	حضرت مولانا سیّد حامد میاں	۳۳
سرگزشت محمدّ علی خان بریلوی	مولانا سیّد محمدّ میاں	۳۸
جمہوریت . . .	مولانا سیّد محمدّ میاں	۴۳
ثمرات الاوراق	مولانا نعیم الدّین	۴۷
دارالافتاء	مولانا مفتی عبدالواحد	۵۰
طب	جناب حکیم نوراحمد	۵۳

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ انوار مدینہ جامعہ مدنیہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

روزنامہ پاکستان کے ۱۹ اکتوبر کے شمارہ اور بعض دیگر قومی جرائد میں ایک بیان نظر سے گزرا جو لاہور میں منعقدہ ویمن ایکشن فورم سے خطاب کے دوران جاری کیا گیا۔

بیان کے خاص خاص مندرجات درج ذیل ہیں۔

"اسلام کا کوئی دورِ سنہری نہیں تھا، خلفاء راشدین کے دور میں بھی لڑائیاں ہوئیں ملّا کا اسلام صرف ریس، شراب اور پردے تک محدود ہے، بُنیاد پرست طبقہ اجتہاد کی طرف نہیں آتا، کیونکہ اس سے اسلام اُن کی اجارہ داری سے نکل جائے گا۔ وقت آئے گا کہ ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ اسلام کی ضرورت بھی ہے یا نہیں کسی سیاسی جماعت کے پروگرام میں اصلاحی اسلام کا تصوّر نہیں، تعلیمی اداروں پر بُنیاد پرستوں کا قبضہ ہے جہاں سے اصلاحی اسلام کی تحریک کے آغاز کی ضرورت تھی۔

یہ چند سطور جن کی تردید حین التحریر سامنے نہیں آئی پڑھ کر قارئین ایک دفعہ تو شاید یہ خیال کریں کہ نبی آخر الزمانؐ کے فرامین و ارشادات کے برعکس اسلام، نبی علیہ السّلام اور خلفاء راشدین کے خلاف اس قدر بے خوفی اور گستاخانہ انداز میں زبان چلانے والا ضرور کوئی رسوائے زمانہ سلمان رشدی کے قبیل کا اسلام دُشمن ملحد ہی ہو سکتا ہے، مگر یہ جان کر کہ اسلام کے ساتھ یہ شوخی اور مسخرہ پن کرنے

والی پاکستان ہی کی ایک مغرب زدہ شخصیّت جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب ہیں نامعلوم قارئین کے مقدس جذبات کا سمندر کس زیر و بم سے دوچار ہُوا ہو گا۔ یہی نہیں بلکہ موصوف کو ماضی قریب میں لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ہونے کا اعزاز بھی حاصل رہا ہو تو ایک عام سادہ لوح مسلمان بھی یہ سوچ کر انگشت بدنداں ہو گا کہ جو شخص پیشہ کے اعتبار سے عدل و انصاف کی مسندِ اعلیٰ سے وابستہ رہا ہو، اس کی انصاف باختگی کا یہ حال ہو کہ عدل و انصاف کے حامل آسمان اور اس کے چاند ستاروں پر تھوتھو کرے، خدا کی پناہ کسی نے سچ کہا آسمان کا تھوکا اپنے منہ پر آتا ہے۔

○

ہم موصوف کی جملہ موشگافیوں کا جواب انشاء اللہ آئندہ کسی مناسب موقع پر دیں گے، اس وقت چند باتوں کے جواب پر اکتفاء کرتے ہُوئے عرض ہے۔ موصوف نے فرمایا۔

"اسلام کا کوئی دَور سُنہری نہیں تھا خلفاء راشدین کے دَور میں بھی لڑائیاں ہُوئیں"

موصوف نے جن کو علّامہ اقبال مرحوم کے فرزند ہونے کا فخر بھی حاصل ہے اسلام کا دَور سنہری نہ ہونے کی وجہ اور علت اس دَور میں لڑائیوں کو قرار دیا حالانکہ سلف صالحین میں اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، بلکہ نبی علیہ السّلام اور بعد میں خلفاء راشدین کے ادوار کے خیر القرون ہونے پر اُمّتِ مسلمہ کا کلی اجماع و اتفاق چلا آرہا ہے، خود آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ...

ترجمہ: تمام ادوار میں سب سے بہترین دَور میرا ہے، پھر اُن کا جو اُن سے ملے ہوں پھر اُن کے بعد اُن کا جو اُن سے ملے ہوں۔

خود کلام اللہ جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اعلیٰ و ارفع کردار کی گواہی "اولٰئک ھم الراشدون اور یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا کے واشگاف الفاظ سے دے چکا ہے۔ احادیث مبارکہ میں ارشاد ہے۔

ان ھذا الامر بدأ نبوۃ و رحمۃ ثم یکون خلافۃ و رحمۃ ثم مُلکا عضوضا ثم کائن جبریۃ و عتوا و فسادا فی الارض الحدیث (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۶۰)

یہ اسلام اور اس سے متعلق احکامِ نبوّت اور بطور رحمت ظاہر ہوئے ہیں پھر اس کے بعد خلافتاً اور رحمتاً ہوں گے پھر کاٹ کھانے والا ملک ہوگا پھر جبر و سرکشی اور فساد فی الارض کا سلسلہ رہے گا۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

تکون النبوۃ فیکم ماشاء اللّٰہ ان تکون ثم یرفعھا اللّٰہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علی منھاج النبوۃ ماشاء اللّٰہ ان تکون ثم یرفعھا اللّٰہ تعالیٰ ثم تکون ملکاعاضا فتکون ماشاء اللّٰہ ان تکون ثم یرفعھا اللّٰہ تعالیٰ ثم تکون ملکاجبریۃً فیکون ماشاء اللّٰہ ان یکون ثم یرفعھا اللّٰہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علی منھاج النبوۃ ثم سکت۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۶۱)

تم میں رہے گی نبوّت جب تک اللہ نے چاہا، پھر اللہ تعالیٰ اُس کو اُٹھالیں گے پھر ہوگی خلافت نبوّت کے معیار کی جب تک اللہ نے چاہا پھر ملک کا معاملہ کاٹ کھانے والا رہے گا یُوں ہی رہے گا جب تک اللہ نے چاہا۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ حالت رفع فرمادیں گے پھر ایک جبروتی سلطنت ہوگی، وہ رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ حالت رفع فرمادیں گے۔ پھر ہوگی خلافت نبوّت کے معیار کی۔ پھر آپ نے سکوت فرمایا۔

قرآن وحدیث تو نبی علیہ السّلام، صحابۂ کرام تابعین و تبع تابعین کو اہل رشد و ہدایت قرار دیں اور اُن کے ادوار کو بہترین زمانہ بتلائیں۔

مگر ڈاکٹر صاحب موصوف کہیں کہ وہ دَور سنہری نہیں تھا کیونکہ اس دَور میں لڑائیاں ہُوئیں سبحان اللہ کیا خوب طریقہ استدلال ہے! ہم خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دَور کے ایک دو واقعات یہاں نقل کرتے ہیں جن سے اُن کی سیرت عادلہ اور اُس وقت کے نظام کے استحکام کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

ابن سعید بن یربوع بن عنکثہ المخزومی اپنا ایک واقعہ نقل کرتے ہُوئے فرماتے ہیں کہ مَیں ایک دن اپنے ساتھ ایک پرندے کو مسجد میں چھوڑنے گیا اور مَیں اس زمانہ میں بچّہ تھا۔

مسجد ہمارے سامنے تھی کیا دیکھتا ہوں کہ ایک حسین وجمیل بزرگ سو رہے ہیں۔ اُن کے سر کے نیچے اینٹ تھی یا اینٹ کا کچھ حصّہ تھا۔ مَیں متعجب کھڑا اُن کے حُسن و جمال کو دیکھنے لگا، یک لخت اُنہوں نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا تم کون ہو اے لڑکے مَیں نے اپنا تعارف کرایا۔ اُن کے قریب ہی ایک لڑکا سویا ہُوا تھا، اُنہوں نے اُس کو بُلایا تو اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ مجھے فرمایا کہ اس کو بلاؤ۔ مَیں اُس کو بُلا لایا تو آپ نے اس کو کسی بات کا حکم دیا اور مجھے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ لڑکا چلا گیا اور فوراً ایک جوڑا اور ایک ہزار درہم لے آیا اور میرے کپڑے اُتروا کر جوڑا پہنا دیا اور ہزار درہم کو ان کپڑوں میں رکھ دیا۔ مَیں اپنے والد صاحب کے پاس لوٹا اور اُن کو واقعہ بیان کیا۔ اُنہوں نے پُوچھا یہ معاملہ تیرے ساتھ کس نے کیا مَیں نے کہا مجھے معلوم نہیں مگر یہ کہ وہ ایک صاحب تھے جو مسجد میں سو رہے تھے، اُن سے بڑھ کر حسین مَیں نے کبھی نہیں دیکھا۔ والد صاحب نے فرمایا وہ تو امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۱۳)

(۱) ابن ملجم کے قاتلانہ حملہ میں زخمی ہونے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین کیا ہم اس کو قتل نہ کر دیں ... ؟ آپ نے فرمایا نہیں، لیکن اس کو قید کر دو، اور اس کی قید کو آرام دہ کرو، پس اگر میں مر جاؤں تو اس کو قتل کر دینا اور اگر مَیں زندہ بچ گیا تو زخموں میں برابر برابر بدلہ ہے۔ ایک موقعہ پر آپ سے عرض کیا گیا کیا آپ اپنی جگہ کوئی خلیفہ نامزد نہیں فرمائیں گے، فرمایا نہیں، لیکن مَیں تمہیں دُنیا میں اسی حال میں چھوڑ جانا چاہتا ہُوں جس حال میں رُسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تم کو چھوڑ گئے تھے۔ پس اگر اللہ نے تمہارے ساتھ خیر کا ارادہ فرما رکھا ہے تو تم کو خیر پر جمع فرما دیں گے۔ جیسا کہ تم کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد خیر پر جمع فرما دیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳)

ایک دوسرے واقعہ میں

(۲) حضرت عمر بن علاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو، اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں مگر وہی، اور نہ لیا مَیں نے تمہارے مال سے تھوڑا اور نہ زیادہ سواء اس کے اور اپنی قمیض کی جیب سے شیشی نکالی جس میں خوشبو تھی اور فرمایا کہ یہ مجھے ہدیہ کی ہے دہقان نے، راوی

کہتے ہیں اس کے بعد آپ بیت المال تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا کہ لو اور خود یہ شعر پڑھنے لگے۔

افلح من کانت لہ قوصرۃ یأکل منھا کل یوم ثمرۃ

ترجمہ: کامیاب ہوگیا وہ شخص کہ اُس کے پاس ایک ٹوکری ہو اس میں سے روز ایک کھجور کھائے یعنی گزارہ کرے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲)

یہاں ایک واقعہ یاد آیا موقع کے مناسب ہے اس لیے ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

کسی گاؤں میں ایک بہت ہی بڑے اللہ والے بزرگ رہتے تھے کسی بات پر وہاں کے چمار کو اُن سے خفگی ہوگئی، چنانچہ اُن کے بارے میں کچھ نہ کچھ بکتا رہتا ایک روز اُن کے مرید سے کہنے لگا تمہارے پیر اور ہم میں کیا فرق ہے جیسے ہم کھاتے پیتے ہگتے مُوتتے ہیں اسی طرح وہ بھی کھاتے پیتے اور ہگتے مُوتتے ہیں۔

مُرید نے پُوچھا تو کیسے ہگتا ہے تو وہ وہیں بیٹھا ہگا اور بغیر صفائی اور پاکی حاصل کیے اُٹھا اور بڑی بے شرمی سے بولا یُوں ہگتا ہُوں" مرید نے کہا بات تو ٹھیک ہے کہ وہ بھی ہگتے ہیں، مگر وہ شرم دار باحیا انسان کی طرح پردے کی جگہ جاکر اطمینان سے فراغت پاکر طہارت و پاکی حاصل کر کے انتہائی نفاست اور شریعت کے بتلائے گئے آداب کے ساتھ اس عمل کو پُورا کرتے ہیں کجا تو اور کجا وہ

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ہم کوئی فیصل تو ہیں نہیں کہ کوئی فیصلہ صادر کریں، یہ کام تو قارئین کرام کا ہے کہ آیا ڈاکٹر صاحب کے طریق استدلال اور اس واقعہ کے درمیان کوئی علاقہ پایا جاتا ہے یا نہیں۔

○

صحابہ کرام کے زمانہ میں زنا بھی ہُوا، چوری بھی ہُوئی، شراب بھی پی گئی قتل بھی ہُوا، اسی طرح لڑائیاں بھی ہُوئیں، مگر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے، تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں کہ ان جیسے جتنے بھی واقعات ہُوئے۔ اسلام کے زرّیں اُصولوں سے راہنمائی حاصل کرتے ہُوئے

اُس دَور کے خلفاء اور اُن کے مقرّر کردہ قاضیوں نے کس طرح بلا تاخیر ظالموں کو اُن کے ظلم پر عبرت ناک سزائیں دے کر مظلوموں کی دادرسی اور تشفیِ صدور کا سامان بہم پہنچایا نبی علیہ السّلام اور اُن کے خلفاء راشدین نے امن و امان عدل و انصاف سے بھرپُور نظام عملاً جاری فرما کر دُنیا والوں کے سامنے مستحکم فطری اور آسمانی اُصولوں سے مزیّن ایک ایسا خیمہ کھڑا کر دکھایا کہ آنے والی ہوشمند نسلوں کے لیے نمونہ اور کسوٹی قرار پاگیا۔ اسی لیے اس دَور کو سنہری دَور کہا جاتا ہے نبی علیہ السّلام نے اس کی خیریت کو تمام زمانوں کی خیریت سے بڑھ کر قرار دیا۔

چنانچہ قانون اسلامی کی کُتب پر اگر نظر ڈالی جائے تو زندگی کے جس شعبہ سے بھی متعلّق مسائل خواہ وہ عقائد و عبادات معاملات و دیانات بیع و شراء یا نکاح و طلاق "کفالت و وکالت" شہادت و دعویٰ و ودیعت و عاریت ہبہ و صدقہ "قسمت و مہائیت" و مضارعت و مساقات ذبائح وصیت رہن و تعزیرات حدود و قصاص مارشل ضابطے ہوں یا ٹریفک قوانین ہوں اُن کا ماخذ و کسوٹی وہی صحابہ کا سُنہری دَور ہی ہے۔

جہاں تک صحابہ کرام کے مشاجرات اور باہمی نزاع کا معاملہ ہے تو اس کا کوئی انکار نہیں کرتا، تاہم اتقیاء اور اہل اللہ کے باہمی نزاع و اختلاف کی کیفیت و اسباب عام آدمی کے اختلاف و نزاع جیسے ہرگز نہیں ہوتے کہ اس میں مال و دولت منصب و جاہ طلبی کی نفسانی خواہشات کو دخل ہو اور اگر کہیں بتقاضاء بشریت کوئی خطا سرزد ہُوئی بھی تو خوف و خشیت الٰہی سے یہ حال ہوتا کہ خود اُس کی تلافی کی فکر ہوتی اور رجوع الی اللہ کرتے۔ ملاحظہ فرمائیں قرآن پاک میں ان اتقیاء کے بارے میں کیا ارشاد ہو رہا ہے۔

والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذکروا الله فاستغفروا لذنوبهم و من یغفر الذنوب الا الله ولم یصروا علی ما فعلوا و هم یعلمون اولٰئك جزاؤهم مغفرة من ربهم وجنٰت تجری من تحتها الانهار خٰلدین فیها ونعم اجر العٰملین (پ ۴ ر ۵)

ترجمہ: اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا بُرا کام کریں اپنے حق میں تو یاد کریں اللہ کو، بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی، اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوا اللہ کے اور اَڑتے نہیں اپنے کیے پر اور وہ جانتے ہیں انہی کی جزا ہے بخشش ان کے رب کی،

اور باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ ان باغوں میں اور کیا خُوب مزدُوری ہے کام کرنے والوں کی۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

ان الذین اتّقوا اذا مسّھم طٰٓئف من الشیطٰن تذکّروا فاذا ھم مبصرون۔ (پ۹-ر۱۴)

ترجمہ: جن کے دل میں ڈر ہے جہاں پڑ گیا اُن پر شیطان کا گزر چونک گئے پھر اسی وقت ان کو سوجھ آجاتی ہے۔ (یعنی فوراً سنبھل جاتے ہیں)

حدیث شریف میں آتا ہے۔

التّائب من الذّنب کمن لاّ ذنب لہ

ترجمہ: گناہ سے سچّی توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک بات یہ بھی کہی ہے کہ "ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ اسلام کی ضرورت بھی ہے یا نہیں"۔

مگر یہ نہیں فرمایا کہ "ہمیں" سے اُن کی مراد کون ہیں، کیا وکلاء، جج، علماء، تاجر، صحافی، ڈاکٹرز عام مُسلمان یا دیگر غیر مُسلم اقلیتیں ہیں۔ اس کی وضاحت کے ساتھ ساتھ یہ واضح فرمائیں کہ اس "گروہِ نامراد" میں ان کی اپنی کیا حیثیّت ہے تاکہ اس منصب کے مطابق اُن کی بات کا کچھ وزن کیا جاسکے۔ سرِدست اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایکشن فورم کی چند سر پھری خواتین کو کسی اپنے "ہم پلّہ" مرد کی خدمات درکار تھیں۔ یہ تو عورتیں ہی بتلائیں گی کہ اُنہیں ڈاکٹر صاحب ہی کیوں اس منصب جلیل کے اہل نظر آئے کہ سٹیج پر لا کھڑا کیا۔ لہٰذا ان کی نمک حلالی کا حق ادا کرتے ہُوئے ڈاکٹر صاحب نے یہ ریمارکس دیئے تاکہ گھر کے ماحول سے تنگ آکر سوشل سرگرمیوں کے نام پر آوارگی کرنے والی چند خواتین کو سامانِ تفریح بہم پہنچائیں۔

○

ویسے تو بحمداللہ علماء حق نے ہر میدان میں کسی بھی قسم کی دینی خدمت اور قربانی سے دریغ نہیں کیا، چنانچہ پہلے کی طرح آج بھی بعون اللہ ہر میدان میں پوری طرح سرگرم ہیں مگر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: "مُلّا کا اسلام صرف ریس، شراب اور پردے تک محدود ہے"۔ یہ بات بھی ہر سنجیدہ

اور متین آدمی کے لیے ایک سوالیہ نشان ہے کہ علماء حق کے تمام دین کے میدانوں میں سرگرم عمل ہونے کے باوجود ڈاکٹر صاحب کو صرف ریس، شراب، پردہ پر ہی علماء کی نکیر دنہی اتنی برانگیختہ کیوں کر گئی، جبکہ موجودہ قانون کی خامیوں پر بھی علماء بہت ہی مثبت انداز میں نشان دہی کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں، اور ڈاکٹر صاحب کی تمام زندگی موجودہ قانون کے حوالہ سے کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، لیکن اس پر ڈاکٹر صاحب کی ناراضگی اس شدت سے سامنے نہیں آئی؛ تاہم جو غیظ و غضب ڈاکٹر صاحب کو مذکورہ بالا "تکون" (تین چیزوں) پر ہے، یہ چیز ہر شخص کے لیے سوالیہ نشان ہے۔

آخر میں دعاء ہے کہ اللہ پاک ہماری خطاؤں سے درگزر فرما کر دارین کی سعادتوں سے نوازے آمین۔

حوادث زمانہ

حضرت اقدس مولانا مسیح اللہ صاحب خلیفۂ اجل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہما گزشتہ دنوں جلال آباد میں ۱۲ نومبر ۱۹۹۲ء بروز جمعرات رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ کے نیک بندوں کی برکات سے محرومی کا سلسلہ روز بروز بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے جو ظاہر ہے قرب قیامت کی واضح علامات میں سے ہے۔ انہی برگزیدہ بندوں میں سے حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ بھی تھے جن کے فیوض و برکات سے ایک دُنیا متمتع ہو رہی تھی آج اپنے درمیان نہ پاکر بے سروسامانی کا شکار نظر آتی ہے۔ حضرت مولانا کی وفات سے پیدا ہونے والا خلا شاید ہی پُورا ہو سکے۔ اللہ کرے کہ حضرت مولانا کا روحانی فیض تا قیامت جاری وساری رہتے ہُوئے اُن کے بلندیٔ درجات کا سبب بنا رہے ہم سب "خدام جامعہ" اور ادارہ "انوارِ مدینہ" حضرت کے پسماندگان اور متوسلین کے غم میں برابر کے شریک اور دُعاگو ہیں، اللہ پاک اُن کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی صاحبزادی اور حضرت مولانا سیّد رشید الدین صاحب مدظلہم مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد کی اہلیہ محترمہ "ریحانہ آپا" رحمہا اللہ تعالیٰ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۹، نومبر بروز دوشنبہ دہلی میں بہت مختصر علالت کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔

انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون ۔ مرحومہ حضرت مدنی رحمہ اللّٰہ کی نہایت چہیتی صاحبزادی تھیں جس کی وجہ سے آپ پر حضرت رحمہ اللّٰہ کی خصوصی توجہات تھیں۔ انہیں توجہات کا نتیجہ تھا کہ آپ میں بہت سی اعلیٰ صفات پیدا ہوگئی تھیں جن میں ذکر و فکر عبادت و ریاضت خشوع و خضوع صبر و قناعت جیسی اعلیٰ صفات سب پر غالب و نمایاں تھیں۔ آپ کا دنیا سے کوچ کر جانا جہاں اُن کے اہل خانہ کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔ وہاں حلقہ دیوبند کے لیے بھی متاع گراں قدر سے محرومی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے جملہ پسماندگان بالخصوص اُن کی والدۂ ماجدہ دامت برکاتہا اور مولانا رشید الدین صاحب دامت برکاتہم کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ / ۲۶ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو حضرت مولانا حافظ محمد الیاس صاحب بھی طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون مولانا مرحوم علاقہ چھچھ ضلع اٹک کے مشہور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ آپ نے اسی علمی و روحانی خاندان میں نشو و نما پائی اور اپنے وقت کے جید ترین علماء کرام سے کسبِ فیض کیا، اور اس طرح آپ اعلیٰ درجے کے مدرّس، مقرّر، مناظر، خطیب اور واعظ بنے۔ ایک طویل عرصہ تک لاہور میں آپ نے درسِ قرآن دیا جس سے ہزاروں تشنہ کام سیراب ہوئے اور ہزاروں گم کردہ راہوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔

آپ کافی مدّت سے گُردے کے مریض تھے، اپریشن بھی کروایا لیکن

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

بالآخر یہ مرض آپ کی وفات کا سبب بنا۔ اور مولانا مرحوم کلمہ شہادت کا ورد کرتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ رحمہ اللّٰہ رحمۃً واسعۃً

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مؤرخہ ۱۸ نومبر ۱۹۹۲ء بروز جمعرات مجلس احرارِ اسلام کے نامور مجاہد "کاروانِ احرار" کے مصنّف اور ماہنامہ تبصرہ لاہور کے ایڈیٹر، معروف شاعر جناب مرزا غلام نبی جانباز بھی وفات پا گئے۔ مرحوم قافلۂ احرار کے صفِ اوّل کے لوگوں میں سے تھے۔ آپ نے حضرت سیّد عطاء اللّٰہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللّٰہ کے تربیت یافتہ ہونے کی وجہ سے دینِ حق کی سربلندی اور باطل کی سرکوبی بالخصوص مرزائیت کے خلاف

نمایاں خدمات انجام دیں اور اس سلسلہ میں آپ کو قید و بند سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ آپ کافی عرصہ سے بیمار تھے۔ آخر یہ بیماری آپ کی رحلت پر ختم ہوئی، آپ کے آخری لمحات قابلِ رشک تھے۔ بار بار کلمہ طیّبہ کا ورد کر رہے تھے اور اس پاک کلمہ کا ورد کرتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین۔

مجلس شوریٰ کا اجلاس

۲۳ نومبر بروز دوشنبہ جامعہ مدنیہ کی مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم منعقد ہوا۔

اجلاس میں جامعہ کے تعلیمی انتظامی شعبہ جات کی گزشتہ کارگزاری سامنے لائی گئی۔ نیز مالیاتی اُمور ممبران نے بغور ملاحظہ کیے اور اطمینان کا اظہار فرمایا۔ آئندہ سال کے لیے بہت سی مفید تجاویز پیش کی گئیں۔ جن کی اجلاس نے منظوری دی

اجلاس نے حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کی صاحبزادی محترمہ ریحانہ آپا رحمۃ اللہ علیہا کی اچانک وفات پر ایک تعزیتی قرارداد پاس کی نیز جامعہ کے فاضل ترین مدرس حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی المناک وفات پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کیا اور مرحومین کے لیے دُعاءِ مغفرت کی آخر میں "کشمیری" بوسنیا ہرزیگونیا" اور فلسطینی مُسلمانوں پر مظالم کے خلاف بھی قرارداد مذمّت پاس کی گئی۔ اجلاس دُعاءِ خیر پر ختم ہوا۔

دورِ شباب اور دورِ شباب سے کچھ آگے

اخلاقی بدحالی۔ جذبۂ اصلاح —— امن پسندی اور صُلح جوئی

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمّد میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

چھٹی صدی عیسوی جس کے آخری حصّہ میں یہ آفتاب طلوع ہُوا۔ ایک اندھیری رات تھی جس پر گمراہیوں اور ظلم وستم کی گھٹائیں چھائی ہُوئی تھیں۔

دولت پر غرور۔ جاگیر و جائداد پر گھمنڈ نسلی اور خاندانی اونچ نیچ۔ اپنے آپ کو اُونچا دوسروں کو نیچا سمجھنا۔ یہاں تک کہ اُن سے چھوت چھات کرنا۔ غریبوں کو دبانا۔ کمزوروں کی کمزوری سے فائدہ اُٹھانا۔ عورتوں کو ایک خدمت گزار جاننا۔ شوہروں کے مرنے کے بعد اُن کی زندگی کو اکارت ماننا۔ یہاں تک کہ اُن کی خودکشی کو اُن کے لیے ذریعہ نجات سمجھنا۔ خدا سے انکار کرنا۔ یا سینکڑوں، ہزاروں دیوی دیوتاؤں کے سامنے ماتھا رگڑنا۔ من مانی باتوں کو مذہب اور دھرم سمجھ لینا۔ خودغرضی۔ بے رحمی سُود۔ شراب۔ زنا۔ رشوت۔ جوا وغیرہ ایسی بیماریاں تھیں جن کی وبا پُوری دُنیا میں پھیلی ہُوئی تھی۔[1]

عرب میں ان عام بیماریوں کے علاوہ

۱۔ ایک بیماری یہ تھی کہ پُورے ملک کی کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی۔ ہر ایک قبیلہ اپنی جگہ آزاد تھا۔

۲۔ کچھ انسانوں کو ناپاک سمجھنے کا عقیدہ تو نہیں تھا۔ مگر انسانی خُون کو سستا اور مہنگا سمجھنا اُن کا قومی

---

[1] یعنی وہ دُنیا جو اس زمانہ میں مہذب دُنیا کہلاتی تھی مثلاً وسط ایشیا۔ ایران۔ ہندوستان یا مشرقی یورپ باقی مغربی یورپ اس زمانہ میں تہذیب و تمدّن سے اتنا بعید تھا کہ شہروں اور قصبوں کی باقاعدہ آبادیاں بھی نہیں تھیں۔ ایک ہی جیسی جھونپڑیوں یا پہاڑی گھاٹیوں میں انسان اور ان کے مویشی ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ فرق بہت معمولی ہوتا تھا۔ افریقہ اور چین کو ہم آج بھی غیر مہذب سمجھتے ہیں اور امریکہ تو صرف چار صدیوں سے انسانی ممالک کے زمرہ میں داخل ہوا ہے۔

مزاج بن چکا تھا۔ یعنی کسی معمولی قبیلہ کا کوئی آدمی اگر مارا جاتا۔ خواہ وہ اس قبیلہ کا سردار ہی ہوتا تو اس کے خون کے عوض میں چند اُونٹ دینے کافی سمجھے جاتے تھے۔ جس کو وہ دیت کہا کرتے تھے لیکن اگر کسی بڑے قبیلہ کا کوئی معمولی آدمی بھی مارا جاتا تو اس کے عوض میں قاتل کے ایک سے زائد اور انتہا یہ کہ کبھی پُورے قبیلہ کو تباہ کر دینا بھی اپنا حق سمجھتے تھے اور اُس پر فخر کیا کرتے تھے۔

۳۔ فطرت جنگجو تھی اس بنا پر معمولی بات پر بھی بڑی سے بڑی جنگ کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا جو سالہا سال جاری رہتا۔ مثلاً

ایک شخص کا اونٹ کھیت میں چلا گیا۔ کھیت والی عورت نے اسے مارا۔ اونٹ والے نے عورت کی چھاتی کاٹ ڈالی۔ اس بات پر ۴۹۴ء سے ۵۳۵ء تک برابر لڑائی رہی یعنی اکتالیس سال برابر۔ کہتے ہیں ستر ہزار آدمی اس میں مارے گئے۔

داحس ایک گھوڑا تھا۔ گھوڑ دوڑ میں وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر اسے بدکا دیا۔ اتنی بات پر ایسا رن پڑا کہ قبیلے کے قبیلے کٹ مرے۔ اس لڑائی کا خاتمہ اس وقت ہُوا جب اسلام کی امن پسندی نے محارب قبیلوں کے مزاج بدل دیئے۔

حالی مرحوم کے اشعار جو ضرب المثل ہو گئے ہیں۔ اُس زمانہ کے واقعات کا ایک مختصر خاکہ ہیں جو اس سلسلہ کلام کے لیے نہایت موزوں ہیں۔ اشعار یہ ہیں۔

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص[1] آپس میں لڑ بیٹھتے تھے تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے

بُلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارہ
تو اس سے بھڑک اُٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی صدی جس میں آدھی اُنہوں نے گنوائی
قبیلوں کی کر دی تھی جس نے صفائی تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی

---

[1] شخصی لڑائی کو قومی اور فرقہ وار لڑائی بنا لینے کا بدترین مرض ہمارے زمانہ میں خود ہمارے ملک میں موجود ہے۔ فرق یہ ہے کہ یہاں مذہب کا نام دے دیا جاتا ہے اور وہاں قبائلی عصبیت کام کیا کرتی تھی جس کو اسلام نے عصبیت جاہلیت کہا تھا۔ ہمارے یہاں یہ عصبیت جاہلیت مذہب کے مقدس نام پر ہے۔

نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک اُن کی جہالت کا تھا وہ

اسی طرح اک اور خُوں ریز بیدا عرب میں لقب حرب داحس ہے جس کا
رہا ایک مُدّت تک آپس میں برپا بہا خون کا ہر طرف جس میں دریا

سبب اس کا لکھا ہے یہ اصمعی نے
کہ گھوڑ دوڑ میں چنیدؔ کی تھی کسی نے

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لبِ جُو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یونہی روز ہوتی تھی تکرار اُن میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں

مختصر یہ کہ ان قومی اور بین الاقوامی بیماریوں اور علتوں نے نہ صرف یہ کہ امن و امان کی زندگی کو ناممکن بنا دیا تھا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ رحم، رواداری۔ بھائی چارگی۔ عدل و انصاف۔ مروت۔ شرافت۔ مختصر یہ کہ انسانیت کی تمام شریف خصلتوں کے چراغ گل تھے۔ قریش جیسے قبائل اگرچہ تمدّن میں اپنا ممتاز مقام رکھتے تھے، مگر رُوح تمدّن سے وہ بھی محروم تھے۔ اُن کی کاروباری منڈیاں بڑھ رہی تھیں مگر اخلاق کی جنس اُن میں ناپید تھی۔

حضرت محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے جیسے ہی بیدار مغز جوان صالح کی حیثیّت سے شہری زندگی میں قدم جمایا جس طرح آپ کو اپنے خالق اور پروردگار کی عبادت و پرستش کا شوق بڑھا۔ قوم کی یہ ابتر حالت بھی آپ کے دِل کا درد اور جگر کا سوز بن گئی یہ سوزش آپ کو ہر وقت بے چین اور مضطرب رکھتی۔ مگر کوئی معمولی نسخہ شفاء اس درد کے لیے کارگر نہیں تھا۔

اس درد کے علاج کے لیے ایک بہت بڑے سماجی انقلاب کی ضرورت تھی، لیکن وقتی طور پر ایک واقعہ نے موقع دیا کہ آپ اس میدان میں آگے بڑھیں اور پُورے نہیں تو ادھورے علاج

ے چنید بمعنی بدمعاملگی، ہٹ دھرمی۔ بے ایمانی۔

ہی میں حصّہ لیں۔

واقعہ یہ تھا کہ یمن کا ایک سوداگر کچھ مال مکّہ معظّمہ میں لایا۔ مکّہ کے ایک بیوپاری "عاص[1] بن وائل سہمی" نے اس کا مال خرید لیا۔ اور جب قیمت ادا کرنے کا وقت آیا تو اُس کو مار پیٹ کر بھگا دیا۔ وہ مکّہ والوں کے سامنے رویا دھویا۔ مگر کسی نے پرواہ[2] نہیں کی۔ مجبور ہو کر واپس ہُوا، مگر اب اُس نے مکّہ والوں کی ہجو میں اشعار کہنے شروع کیے اور اس طرح پورے عرب میں قریش کی بدنامی[3] ہونے لگی۔ ظاہر ہے مکّہ جیسے تجارتی شہر کے لیے یہ بدنامی بہت خطرناک تھی۔ اُس نے قریش کے سرداروں کو چونکا دیا اور اب وہ صُورتِ حال پر غور کرنے کے لیے مکّہ کے ایک رئیس "عبداللہ بن جدعان" کے یہاں جمع ہُوئے۔ محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اگرچہ ابھی بیس[4] سالہ نوجوان تھے، مگر امن و آشتی اور صلح و مصالحت جو آپ کا فطری جذبہ تھا۔ اُس کا یہ اثر تھا کہ جیسے ہی آپ کو خبر ہُوئی آپ بھی مجمع میں پہنچ گئے۔ آپ کی شرکت کی یہ برکت تھی کہ واقعہ کا تعلّق اگرچہ تجارت اور کاروباری سلسلہ سے تھا، مگر غور و فکر کے دائرہ کو وسیع کیا گیا اور ایک ایسی سوسائٹی (انجمن) بنائی گئی جس کے ارکان کا یہ عہد ہوتا تھا (۱) ہم اپنے وطن سے بے امنی دُور کریں گے (۲) مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے (۳) غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔ (۴) طاقتور کو کمزور پر، بڑوں کو چھوٹوں پر ظُلم کرنے اور ناانصافی سے روکا کریں[5] گے۔

مگر جب تک دلوں کی سطح ہموار نہ ہو اس طرح کے معاہدے پائیدار نہیں ہوتے۔ کیونکہ اُن کا منشا علاج نہیں ہوتا، بلکہ دفع الوقتی ہوتا ہے۔ وقت گزر جاتا ہے تو یہ معاہدے بھی فراموش ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی طرح کا ایک معاہدہ پہلے بھی ہو چکا تھا۔ جب مکّہ پر قبیلہ جرہم کا قبضہ تھا مگر اب اس معاہدہ کا صرف نام یاد رہ گیا تھا۔ یعنی "حلف الفضول" وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ

---

[1] اپنے قبیلہ کا بارعب سردار بھی تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حلیف تھا۔ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تھے تو اُس نے اُن کو پناہ دی تھی۔ دیباچہ میں اس کا تذکرہ کچھ گزر چکا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص اُنہیں کے فرزند تھے۔ [2] یعنی عاص بن وائل کا مقابلہ کرنے کی ہمّت کسی کو نہیں ہُوئی [3] حاشیہ ابن ہشام ص ۸۳ ج ۱ شیخ محمود سید الطحطاوی [4] اسی سال جنگ فجار ہُوئی۔ اُس وقت آپ کی عمر بیس[2] سال تھی۔

البدایہ والنہایہ ص ۳۰۰ ج ۲ [5] ابن ہشام ص ۸۳ و ص ۸۴ ج ۱۔

قبیلہ جرہم کے یہ تین سردار جنہوں نے یہ معاہدہ ایجاد کیا تھا۔ تینوں کے نام "فضل" تھے۔ اس وقت جو معاہدہ ہُوا وہ ایک طرح سابق انجمن کا احیاء تھا۔ لہٰذا اس کو بھی وہی نام دیا گیا۔[۱]

بہرحال وقتی طور پر امن اور حفاظت جان و مال کے لیے ایک اچھا اقدام تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسی ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ اس میں حصّہ لیا کہ نبوّت کے بعد جب ایک مضبوط نظام مُسلمانوں کا قائم ہوگیا تھا۔ تب بھی آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ قریش اگر حلف الفضول کو زندہ کریں تو میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو اس میں حصّہ لوں گا۔[۲]

کام کرنے کا ڈھنگ

تعمیر خانہ کعبہ اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ثالثی

سب کو ساتھ ملا کر۔ ہر ایک کا پاس و لحاظ رکھتے ہُوئے قوم میں اتّفاق اور یک جہتی پیدا کرتے ہُوئے کام کرنے کا جو عجیب و غریب ڈھنگ آپ کا تھا۔ اُس کی مثال آپ کا وہ طرزِ عمل ہے جو حجرِ اسود کے سلسلہ میں آپ نے اختیار فرمایا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

عمارت کعبہ اور تعمیر جدید واقعہ یہ ہے کہ "کعبہ" باوجودیکہ پُورے عرب کی عقیدتوں کا مرکز تھا، مگر اس کی عمارت ایک عجیب سی چار دیواری تھی جس کا ایک[۳] کونہ ایک طرف کسی قدر باہر نکلا ہُوا۔ دوسری طرف کونے ہی نہیں تھے بلکہ ادھر اُدھر کا حصّہ گولائی لیے ہُوئے تھا۔

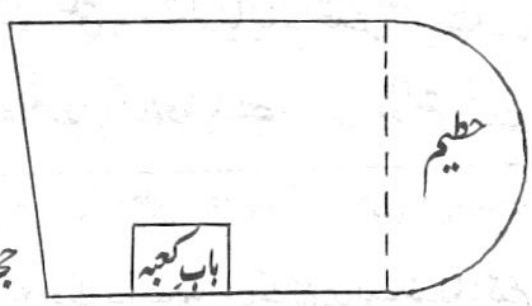

چار دیواری کے اندر دروازہ سے ملا ہُوا خزانہ کعبہ تھا۔ جو کنوئیں کی طرح پختہ گڑھا تھا۔ قیمتی

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ص ۸۳ و ص ۸۴ ج ۱ و ہامشہ بن الشیخ محمود سید الطحطاوی۔

[۲] سیرۃ ابن ہشام ص ۸۴ ج ۱

[۳] اس کو رکن یمانی کہتے ہیں۔

نذرانے اسی میں ڈال دیئے جاتے تھے۔ اس میں سونے کے زیورات کے علاوہ ایک سونے کا ہرن تھا۔ جس میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔[1]

اس چہار دیواری پر چھت نہیں تھی۔ دیواریں نو ہاتھ[2] (تقریباً ۱۵ فٹ) اونچی تھیں۔ چھت نہ ہونے کے باعث قیمتی چیزیں چوری ہو جاتی تھیں۔[3] اس لیے قریش کا منصوبہ تھا کہ عمارت پر چھت ڈال دی جائے۔

ایک واقعہ یہ پیش آ گیا کہ کوئی عورت دھونی سلگا رہی تھی کہ اس کی چلمچی میں سے آگ کا پتنگا خانہ کعبہ کے پردہ پر پڑ گیا جس سے تمام پردے جل گئے اور دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں۔[4]

ان کمزور دیواروں پر تازہ حادثہ یہ پیش آیا کہ زور کا سیلاب[5] اُن سے ٹکرایا۔ جس نے اُن کی جڑیں ہلا دیں۔ اب لامحالا طے کیا گیا کہ اس چار دیواری کو توڑ کر از سرِ نو تعمیر کر دیں۔ اس منصوبہ کو پورا کرنے کے لیے رقم کی ضرورت تھی۔ سامانِ عمارت درکار تھا اور کوئی انجنیئر بھی ہونا چاہیے تھا۔

عجیب اتفاق ہوا کہ اہلِ روم[6] کا ایک جہاز جس پر عمارتی سامان لدا ہوا تھا۔ طوفانی ہواؤں نے اُس کو توڑ پھوڑ کر شعیبیہ پہنچا دیا۔ جو جدہ سے پہلے مکّہ کی بندرگاہ تھا۔ ولید[7] بن مغیرہ (مکّہ کا رئیس اعظم) شعیبیہ پہنچا اور اس جہاز سے حسبِ ضرورت تعمیری سامان خرید لیا۔ ان رومیوں کا سردار (جہاز کا کپتان) "باقوم"[8] تھا وہ فنِ تعمیر سے بھی واقف تھا۔ ولید نے اس سے طے کر لیا کہ وہ اپنی نگرانی میں مناسب نقشہ کے بموجب خانہ کعبہ کی عمارت مکمل کرا دے۔

فراہمی سرمایہ کے متعلق یہ طے کر لیا گیا کہ مقدّس عمارت میں مقدّس سرمایہ ہی صرف کیا جائے چندہ ہر ایک سے لیا جائے، مگر وہ پاک ہونا چاہیے۔ چوری، ڈکیتی۔ غبن۔ غصب یا حرام فعل لگانے۔ بجانے اور

---

[1] ابن سعد ص ۹۳ ج ۱ [2] السیرۃ الحلبیہ ص ۱۵ ج ۱۔ [3] حال میں ابولہب نے سونے کا ہرن چرا لیا تھا۔ کتاب المعارف لابن قتیبہ [4] سیرۃ حلبیہ ص ۱۵۲ ج ۱ [5] سیلاب کو روکنے کے لیے پہاڑوں کے بیچ میں ایک بند زمانہ قدیم سے بنا ہوا تھا۔ یہ سیلاب بند کے اوپر سے دونوں طرف پہاڑوں کو چھوتے ہوئے مکّہ میں پہنچا۔ سیرۃ حلبیہ ص ۱۵۲ ج ۱ و بخاری شریف ص ۵۴۱۔ [6] ایک روایت یہ ہے کہ یہ قیصر یعنی شہنشاہِ روم کا جہاز تھا اور اس پر تعمیر میں کام آنے والے قیمتی پتھر رخام اور ساگوان وغیرہ کی لکڑی اور لوہا لدا ہوا تھا ص ۳۰۱ ج ۱۔ البدایہ والنہایہ بحوالہ اموی کے ابن سعد ص ۹۳ ج ۱ حضرت خالد انہیں کے نامور فرزند تھے ۱۲ [7] روایت ہے کہ جب دعوتِ اسلام اس کو پہنچی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ لاولد تھا۔ انتقال ہوا تو اُن کا ترکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت سہیل بن عمرو کو دلوایا۔ الاصابہ ص ۱۴۱ ج ۱ و سیرۃ حلبیہ ص ۱۵۶ ج ۱۔

رقص وغیرہ) کی اُجرت کا کوئی حبّہ بھی اس میں نہ ہونا چاہیے۔[۱]

تقدس اور پاکیزگی کی ان شرطوں کے ساتھ جو رقم فراہم کی گئی وہ اتنی نہیں تھی کہ بناء ابراہیمی کے بموجب دیواریں کھڑی کر کے اُن پر چھت بھی ڈال دی جائے۔ لہٰذا بجائے مدور و مستطیل عمارت کے مربع عمارت کا نقشہ منظور کیا گیا۔ ایک جانب تقریباً سات[۲] ہاتھ کا حصّہ جو گولائی لیے ہوئے تھا وہ کعبہ سے خارج کیا گیا۔ جنوبی جانب کا ایک کونہ جو کچھ نکلا ہوا تھا اُس کو سیدھ میں رکھا گیا۔ دیواریں پہلے نو ہاتھ بلند تھیں۔ اَب اٹھارہ[۳] ہاتھ (۹ گز) بلند کی گئیں۔ یہ تقریباً ۱۵×۱۵ گز کا طویل و عریض احاطہ۔ اس پر چھت ڈالنے کے لیے دو لینیں تین تین ستون کی کھڑی کی گئیں۔ یعنی چھ کھمبوں پر چھت ڈالی گئی۔[۴] چوکھٹ کو زمین سے کافی اُونچا رکھّا گیا۔ تاکہ لوگ بے دھڑک آسانی سے داخل نہ ہوسکیں جس کو وہ روکنا چاہیں روک سکیں۔[۵]

تعمیر سے پہلے تخریب یعنی بوسیدہ دیواروں کو گرانا ضروری تھا لیکن کسی کی ہمّت نہیں ہوتی تھی کہ کعبہ کی مقدس دیوار پر کدال چلائے۔ مگر ولید بن مغیرہ نے ہمّت کی کہ ہم تخریب اور توہین کی غرض سے نہیں بلکہ تعمیر اور تعظیم کے لیے یہ تخریب کر رہے ہیں۔ لہٰذا خُدا کے غضب یا کسی دیوتا کی ناراضی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔[۶]

مکّہ والوں نے ایک رات انتظار کیا کہ شاید ولید پر کوئی بلا نازل ہو جائے مگر جب ولید بخریت رہا تو اگلے روز سب شریک ہو گئے۔

بہرحال سابق تعمیر منہدم کی گئی۔ بڑے جوش[۷] سے دوبارہ تعمیر شروع کی گئی۔ عمارت کے چند حصّے مقرر کر کے ایک ایک حصّہ ایک ایک قبیلہ کے سُپرد کر دیا گیا کہ وہ اس کے لیے پتھّر لائیں اور تعمیر کریں اس طرح دیواروں کی تعمیر کے سلسلہ میں تو بحث نہیں ہوئی مگر جب دیوارِ کعبہ میں "حجرِ اَسود"

---

[۱] ابن سعد ص ۲۹۴ ج ۱ [۲] ابن سعد ص ۹۵ ج ۱ بخاری شریف ص ۲۱۵ [۳] سیرۃ حلبیہ ص ۱۵۶ ج ۱ پندرہ ہاتھ ابن سعد ص ۲۹۴ ج ۱ [۴] ابن سعد ص ۹۴ ج ۱۔ بخاری شریف ۶۳۱ سرسیّد مرحوم نے خطبات احمدیہ میں تین کھمبے غلط لکھے ہیں اور کعبہ کا نقشہ بھی صحیح نہیں دیا [۵] ابن سعد ص ۹۵ ج ۱ صرف پیر اور جمعرات کے روز دروازہ کھولا جاتا تھا۔ دربانوں کی کڑی نگرانی رہتی جس کو چاہتے نیچے دھکیل دیتے تھے اس میں لوگ ہلاک بھی ہو جاتے تھے جوتوں سمیت نہیں جا سکتے تھے جوتے سیڑھی کے نیچے رکھ دیتے تھے۔ [۶] ابن سعد ص ۹۵ ج ۱ [۷] ابن سعد ص ۹۲ و حلبیہ ص ۱۵۳ ج ۱ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ابن سعد ص ۹۳ ج ۱

نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر ایک قبیلے کو اپنے مفاخر یاد آئے۔ "ہمارے کارنامے یہ ہیں، لہٰذا ہمیں ہی حق ہے کہ حجرِ اسود نصب کرنے کی تاریخی عظمت حاصل کریں۔ اس پر بحث شروع ہوئی تین چار روز بحث مباحثہ اور پُرجوش تقریروں میں صرف ہو گئے مگر گرمی بڑھتی ہی رہی۔ یہاں تک کہ دھمکیوں کی نوبت آگئی۔ ساتھ ساتھ دھمکیوں کو پُورا کرنے کی تیاری بھی ہونے لگی۔ اسلحہ صاف کیے جانے لگے۔ کچھ سمجھ دار لوگ سنبھلے، غصّہ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو ٹھنڈا کیا۔ اور سنجیدگی سے بات چیت کر کے یہ طے کر دیا کہ معاملہ کسی پنچ کے حوالے کیا جائے، مگر لوگوں کے دماغ اس درجہ برافروختہ تھے کہ کسی کے نام پر اتفاق کر لینا ناممکن تھا تو ایک سردار کی یہ تجویز منظور کر لی گئی کہ نام کسی کا نہ لیا جائے بلکہ جو شخص سب سے پہلے "باب بنی شیبہ"[1] سے آئے وہ ثالث تسلیم کر لیا جائے۔

ممکن تھا اس آنے والے پر بھی اختلاف ہو جاتا، مگر یہ قریش کی خوش نصیبی تھی کہ سب سے پہلے وہ آیا جس کی خُوبیوں پر سب کو اتّفاق تھا۔ جس کو سب ہی "الصّادق الامین" کہا کرتے تھے۔ چنانچہ جیسے ہی نظریں رُخِ انور پر پڑیں بے اختیار زبانوں پر آگیا۔

هٰذا محمّد　　　　هٰذا امين　　　　رضينا به

یہ محـمّد ہیں　　　　یہ صاحب امانت ہیں　　　　ہم اُن کی ثالثی پسند کرتے ہیں اس پر خوش ہیں۔

حضرت محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) آگے بڑھے۔ مجمع تک پہنچے۔ پُورا ماجرا آپ کو سُنایا گیا اور آپ سے فیصلہ صادر کرنے کی درخواست کی گئی۔ آپ نے واقعہ سُن کر تھوڑی دیر تامل کیا اور پھر ایک چادر منگوائی۔ چادر بچھا کر حجرِ اسود کو اس کے اُوپر رکھ دیا اور تمام قبیلوں کے سرپنچ اور شیوخ جو یہاں موجود تھے اُن کو بلا کر ہدایت کی کہ سب مل کر چادر پکڑیں اور حجرِ اسود کو اُٹھا کر دیوار کعبہ تک لے چلیں۔ اس صورت میں مساوات اور یکسانیت پائی جا رہی تھی تمام شیوخ راضی ہو گئے۔ پھر جب حجرِ اسود

---

[1] اس کو پہلے باب بنی عبد شمس کہا جاتا تھا اور اب اُس کو باب السّلام کہتے ہیں۔ سیرۃ حلبیہ ص ۱۵۶ ج ۱ اس زمانہ میں خانہ کعبہ کے گرد میدان تھا۔ پھر مکانات تھے۔ چار دیواری نہیں تھی۔ بخاری شریف ص۵۴۰ شہر کی سڑکیں اس میدان پر ختم ہوتی تھیں۔ ان سڑکوں پر پھاٹک بنے ہوئے تھے۔ ان پھاٹکوں کو مسجد حرام کا پھاٹک بھی کہہ دیا جاتا تھا چنانچہ روایتوں میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ کسی روایت میں اسی باب ابی شیبہ کو مسجد کا پھاٹک کہا گیا ہے کسی روایت میں سکّہ کا لفظ آیا ہے (البدایہ والنہایہ) کسی میں فج کا۔ سکہ اور فج کے معنی ہیں راستہ۔ سڑک۔

دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ تو آپؐ نے خود اپنے دستِ مبارک سے اُس کو اُٹھا کر دیوار میں نصب کر دیا۔
اس طرح ایک نہایت خوفناک جنگ ٹل گئی اور آپس میں غصّہ اور نفرت کے بجائے اتحاد اتفاق اور یک جہتی کے جذبات اُبھر آئے جن کی ہماہمی میں کعبہ کی باقی ماندہ تعمیر مکمّل کی گئی۔ ساتھ ساتھ حضرت محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی عزّت و عظمت بدرجہا بڑھ گئی۔

خدا پرستی اور معرفتِ حق

خُدا کو ایک ماننا اور اس کی عبادت کرنا۔ عقل سلیم کا تقاضا ہے مگر خدا پرستی کے وہ طریقے جن سے انسان روحانی ترقّی اور ابدی سکون حاصل کر سکے، انسان اپنی عقل سے نہیں معلوم کر سکتا۔

عقل ان فیصلوں میں بھی بسا اوقات غلطی کر جاتی ہے جن کا تعلّق مشاہدہ سے ہے۔ انتہا یہ ہے کہ وہ طاقتیں جو انسان کے اندر موجود ہیں اور تندرستی یا بیماری کی وہ کیفیتیں جو جسم انسان میں پائی جاتی ہیں چونکہ ان کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا تو عقل اُن کو پُوری طرح پہچاننے سے بھی قاصر رہتی ہے اور پہچانتی ہے تو بسا اوقات غلطی کر جاتی ہے۔ انتہا یہ کہ ایکسرے جیسی نظر آنے والی چیز کے بعد بھی ڈاکٹروں کی تشخیص مختلف رہتی ہے جن میں کوئی ایک صحیح ہوتی ہے اور کبھی ایک بھی صحیح نہیں ہوتی۔ پس وہ معاملات جن کا تعلّق ان حقیقتوں سے ہے جن تک مشاہدہ کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ نہ اُن کے تجربہ کی کوئی صُورت ممکن ہے۔ اُن کے بارہ میں عقل کے فیصلوں پر وہی شخص اعتماد کر سکتا ہے جو انصاف جیسی نعمت سے محروم ہو یا موجودہ زندگی کے فلسفہ اور فکر مستقبل سے غافل اور لاپرواہ ہو۔ مگر وہ صاحبِ فہم و فراست جو دیکھتا ہے کہ ہر ایک فعل کی ایک تاثیر ہے اور یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ معمولی کمی بیشی سے تاثیروں میں بے انتہا فرق آجاتا ہے اگر صحیح توازن قائم رہے تو انسان ایٹم بم اور راکٹ تک بنا سکتا ہے اور چاند تاروں تک پہنچ سکتا ہے، لیکن توازن میں کچھ فرق بھی آجائے تو ساری محنت رائیگاں اور دولت برباد ہوتی ہے۔ وہ ہرگز جرأت نہیں کر سکتا کہ مشاہدہ سے بالا چیزوں کے بارہ میں عقلی فیصلوں پر اعتماد کر لے۔ وہ لامحالہ کسی ایسے مخبر اور ایسے رہنما کی تلاش کرے گا اور اس کی جستجو میں بے چین اور مضطرب رہے گا جو انسانی زندگی کے منتہا اور انجام کی صحیح خبر دے سکے۔ اور وہ متوازن چیزیں بتا سکے جن سے روحانی صحّت اور ترقّی حاصل ہو اور ابدی سکون میسّر آئے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فطرتِ سلیم نے آپ کو ایک خُدا کی یاد پر آمادہ کیا۔ اس کا شوق پیدا ہُوا۔ ایک طرف قومی زندگی میں آپ وہ اعتماد حاصل کرتے رہے کہ آپ کو "الصّادق الامین" کا خطاب دیا گیا۔ دوسری جانب یادِ خدا کا شوق اتنا ہی بڑھتا رہا۔ یادِ خدا کے شوق کے ساتھ لامحالہ نوعِ انسان کی اصلاح و ترقّی کے سوالات بھی آپ کے سامنے آتے رہے۔

یہ اصلاح و ترقّی صرف مادیات تک ہو یا اس کا تعلّق روحانیت سے بھی ہو۔؟

انسانی زندگی۔ صرف اسی ظاہری زندگی تک ہے یا اُس کے بعد بھی اس کا تعلّق ہے ؟

اگر انسان مرنے کے بعد بھی ایک وجود رکھتا ہے تو اُس کی فلاح و بہبود کس طرح ہوسکتی ہے؟

اصلاح کا وہ طریقہ کیا ہو کہ انسان اس زندگی میں بھی امن و سکون اور ترقّی سے ہمکنار ہو اور اس کے بعد کی زندگی بھی ایک خوشگوار زندگی ہو اور اس طرح یہ اصلاح مکمّل اصلاح ہو۔ یہ وہ سوالات[1] تھے جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قلبِ حساس میں خلش پیدا کرنے لگے اور اُن کی خلش یہاں

---

[1] نبی اور ولی صوفی یا راہب اور سادھو میں یہ فرق ہے کہ ولی یا صوفی کے غور و فکر کا دائرہ یادِ خدا کی حد تک محدود رہتا ہے وہ نوعِ انسان کی فکر میں پڑے تو یادِ خدا کے مشغلہ میں کمی آجائے۔ اس کا ظرف تنگ ہوتا ہے اس میں یادِ خدا اور فکرِ نوعِ انسان دونوں کی یکساں گنجائش نہیں ہوتی۔ مگر نبی اور رسُول کا ظرف اتنا وسیع ہوتا ہے کہ وہ بیک وقت دونوں کی یکساں گنجائش رکھتا ہے۔ نبی جیسی وسعتِ ظرف تو نبی کی خصوصیت ہے البتّہ اگر کسی ولی کو کسی درجہ پر یہ وسعتِ ظرف حاصل ہو جائے کہ وہ یادِ خدا کے ساتھ نوعِ انسان کے مسائل پر غور کر سکے اور اُن میں عملاً دلچسپی لے سکے تو ایسی ولایت کو ولایتِ نبوّت کہا جاتا ہے اور ایسے علماء کو جو اس وسعتِ ظرف کے مالک ہوں، وارثِ انبیا قرار دیا جاتا ہے یہ خصوصیت صرف نبی کو حاصل ہوتی ہے کہ ایک طرف اس کی شان یہ ہو کہ تنام عینی ولا ینام قلبی۔ نیند کے وقت میری آنکھیں ضرور بند ہو جاتی ہیں مگر قلب کی بیداری میں کوئی فرق نہیں آتا اور دوسری جانب اس کی یہ شان ہو کہ ہر لاچار و بے بس کا پدر مشفق۔ ہر بے پناہ کا پشت پناہ۔ مظلوموں کا فریادرس۔ حقوقِ انسانی کا محافظ۔ دستور و آئینِ مملکت کے لیے بہترین مقنن۔ قومی اور بین الاقوامی سیاست کا مفکّرِ اعظم اور اس دریا کا بہترین تیراک۔ میدانِ جنگ کا فیلڈ مارشل اور فوجی قوانین کا اعلیٰ ترین مصلح۔ یہ وسعتِ ظرف صرف رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حاصل تھی اور نبی کی پرچھائیں صحابۂ کرام پر پڑی تھی کہ وہ بھی ان اوصاف کے جامع ہو گئے تھے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ انبیاء علیہم السّلام کے آپس میں معیارِ فضلت یہی خصوصیتیں ہیں جو ان خصوصیات میں سب سے ممتاز ہوگا اسکا درجہ بھی سب سے بلند ہوگا۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

تک بڑھی کہ آپ کو اس غور و فکر میں لطف آنے لگا۔ گویا یہی غور و خوض۔ فکر و مراقبہ، آپ کی حیاتِ مقدسہ کا جوہر بن گیا اور چونکہ شہری زندگی اس میں حارج تھی تو آپ کو تنہائی پسند آنے لگی۔ رفتہ رفتہ یہ دِل بستگی یہاں تک بڑھی کہ آپ شہر سے باہر پہاڑ کی ایک کھوہ میں رہنے لگے۔

حرا پہاڑ کا چار گز لانبا اور پونے دو گز چوڑا غار جہاں سے "کعبہ مکرمہ" بھی نظر آتا رہتا ہے۔ اب بھی موجود ہے یہ مکّہ شہر سے تقریباً تین میل ہے۔ راستہ اتنا دُشوار کہ یہ تین میل تیس میل سے بھی زیادہ کٹھن پڑتے ہیں۔ طاقتور نوجوان بھی وہاں پہنچتے پہنچتے تھک جاتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ عادت بنالی تھی کہ پانی اور ستو ساتھ لیتے اور اس غار میں پہنچ جاتے اور جب تک پھر ضرورت نہ ہوتی آپ وہیں یادِ خُدا، غور و فکر اور مراقبہ میں مشغول رہتے۔

رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) بھی پوری وفاداری اور دل سوزی سے حق رفاقت ادا کرتی رہیں وہ پانی اور ستو کا ایک اندازہ رکھتیں اور جب اُن کے اندازہ سے آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی واپسی میں تاخیر ہوتی تو وہ خود پانی اور ستو لے کر اُس غار پر پہنچ جاتیں۔

آخر میں چھ[1] ماہ ایسے گزرے کہ آپ کو عجیب و غریب خوابیں آتی تھیں اور وہ اپنی تعبیر میں ایسی ہی سچّی ہوتی تھیں جیسے سپیدۂ صبح طلوع آفتاب کی پیشن گوئی میں صادق ہوتا ہے۔ پھر آفتاب طلوع ہوتا ہے تو آفتاب آمد دلیل آفتاب بقول سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا خواب بھی گویا سپیدۂ صُبح ہوتا تھا۔ جس کے بعد آفتاب تعبیر کی درخشانی لازمی ہوتی تھی۔[2]

---

[1] یعنی نبوّت سے چھ ماہ پہلے

[2] بخاری شریف والبدایۃ والنہایۃ وغیرہما۔

"انوارِ مدینہ" میں

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

مکتوب گرامی

حضرت اقدس مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ العزیز

سادات شیخپورہ، مرزا پور، مادھو پور، ضلع سہارنپور وغیرہ کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف، والا نامہ باعثِ سرفرازی ہُوا، یاد آوری کا شکرگزار ہوں، میرے متعلق نسبی حیثیّت سے سیّد ہونے کا انکار جن حضرات نے کیا ہے وہ اس کے ذمّہ دار ہیں مَیں تو اپنے نام کے ساتھ سیّد لکھتا بھی نہیں ہُوں جس کی وجہ یہ ہے کہ مدارنجات نسب نہیں ہے عمل ہے، اگر نسبی حیثیت سے کوئی اعلیٰ درجہ کا عالی نسب ہے، مگر اعمال قبیح ہیں تو مثل پسر نوح علیہ السلام وہ راندہ درگاہ خداوندی ہے اور اگر چمارزادہ یا بھنگی زادہ ہے، مگر وہ مُسلمان متقی ہے تو اس کی فوز و فلاح مثل حضرت بلال و صہیب رضوان اللہ علیہما ہے، میرے عمل اس ادعا کی اجازت نہیں دیتے، مجھ کو شرم آتی ہے۔

محترما۔ میں الہداد پور، قصبہ ٹانڈہ، ضلع فیض آباد کا باشندہ ہوں۔ الہ داد پور قصبہ ٹانڈہ کے بالکل متصل ہے تقریباً چار سو برس یا اس سے زاید سے ہمارے خاندان کی جائے سکونت ہے وہاں کے اطراف و جوانب میں ضلع سلطان پور اعظم گڑھ اور فیض آباد کے دیہات اور قصبات میں صرف سادات اور بڑے ذات کے شیخ زادوں میں ہماری رشتہ داریاں صدیوں سے چلی آتی ہیں، ہمارا آبائی پیشہ زمینداری اور پیری مریدی ہے، شاہان دہلی مغلیہ خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے یا اُن سے پہلے بادشاہوں نے ہمارے اعلیٰ مورثوں کو ۲۴ گاؤں دیئے تھے جن میں سے ۱۸۵۷ء تک ۱۳ باقی رہ گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں ایک ہندو راجہ نے جس سے پہلے سے عداوت چلی آتی تھی، بڑوں کے انتقال اور بدعملی کی اشاعت کی وجہ سے سب پر قبضہ کرلیا اور الہ داد پور لوٹ لیا۔ ہمارے قدیمی کاغذات وغیرہ پر بھی قبضہ کرلیا بے شمار خزانے اور غلّہ اور سامان اس نے لوٹے جس کو وہ ایک مہینہ تک گاڑیوں میں منتقل کرتا رہا۔ اس

کے حصار کے زمانہ میں عورتیں اور بچّے بھیس بدل کر رشتہ داروں کے یہاں شہر ٹانڈہ کے بعض محلوں میں جو کہ مامون تھے پناہ گزین ہو گئے تھے اور دوسرے لوگ بھی نوکروں اور رعایا کو چھوڑ کر منتشر ہو گئے تھے، بہر حال اگر کسی کو تفتیش کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد دُور نہیں ہے، وہاں جاکر تفتیش کر کے حال معلوم کر سکتا ہے، ۱۸۵۷ء کے بعد صرف دو گاؤں ہمارے خاندان کے پاس باقی رہ گئے تھے، جن میں والد مرحوم کا ایک آنہ آٹھ پائی تھا، جس کو فروخت کر کے والد مرحوم نے حجاز کا قصد کیا تھا۔

ہمارے مورث اعلیٰ جو کہ اللہ داد پور میں اولاً پہنچے ہیں اُن کا نام شاہ نور الحق قدس سرہ العزیز ہے ان سے لے کر مجھ تک سترہ پشتیں گزریں ہیں۔ سلسلہ حسبِ ذیل ہے۔

حسین احمد بن سید حبیب اللہ بن سیّد پیر علی بن سید جہانگیر بخش بن شاہ نور اشرف بن شاہ مدن ابن شاہ محمدّ ماہ شاہی بن شاہ خیر اللہ بن شاہ صفت اللہ بن شاہ محب اللہ بن شاہ محمود بن شاہ لدھن ابن شاہ قلندر بن شاہ منور بن شاہ راجو بن شاہ عبدالواحد بن شاہ محمد زاہد بن شاہ نور الحق قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔

یہاں تک ہمارا شجرہ نسبی موجود ہے، اس کے بعد کا شجرۂ طریقت ہے، نسبی موجود نہیں ہے۔ شاہ نور الحق صاحب خلیفہ ہیں شاہ داؤد چشتی کے وہ شاہ عناب الدین چشتی کے وہ شاہ نجم الدین چشتی کے وہ شاہ رومی چشتی کے وہ خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی کے وہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہم اللہ تعالیٰ و قدس اسرارہم کے اس کے بعد شجرہ میں وہی اسماء بزرگان طریقت کے درج ہیں جو حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تمام شجروں میں مذکور ہیں۔

ہمارے خاندان کے بڑے میرے تایا والد، ماموں ہر دو بھائی کے آبائی اور خاندانی مرید ضلع گونڈہ بستی گورکھپور، فیض آباد وغیرہ کے دیہات اور اطراف میں تھے اور اَب تک چلے جاتے ہیں۔ اکثر رشتہ داروں نے پیری مریدی چھوڑ دی ہے، مگر بعض بعض نے اب تک غربت کی وجہ سے اسی پر گزران کر رکھی ہے اس میں شک نہیں کہ اخیر ایام یعنی ۱۸۵۷ء کے قریبی ایّام میں جہالت اور دُنیا داری کا ہمارے خاندان پر غلبہ ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے ہماری نانی مرحومہ نے جو کہ خاندان ہی کی تھیں، والد مرحوم پر زور دیا کہ تم کسی کامل سے بیعت ہو جاؤ۔ کیونکہ اب طریقت کی تعلیم اور کمال خاندان میں

باقی نہیں رہا۔ چنانچہ ہمارے والدین ماجدین حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی سے بیعت ہُوئے اور شرف حاضر بارگاہی حاصل کیا۔ بہر حال یہ احوال مختصر ہیں والحقیقۃ عنداللہ محترما، اگر قبولیت عنداللہ نصیب ہو تو نجاح و فلاح ہے ورنہ سب ہیچ ہے اخباروں وغیرہ میں ایسے مضامین لانے کی ضرورت نہیں آپ کو ضرورت ہے کہ اپنی قوم کو مُسلمان ہونے کی حیثیت سے ترقّی دیں۔ نسبی حیثیّت سے غرور اور تکبر بے موقعہ پیدا ہوتا ہے، وہ ترقی سے مانع ہو جاتا ہے۔ سادات پر تمام مُسلمانوں کی خدمت گزاری ضروری ہے، نہ یہ کہ سادات تمام مسلمانوں کو اپنا غلام سمجھیں اور ان سے خدمت کی خواہش کریں۔ تذکرۃ الاولیا میں ہے کہ ایک روز امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بغداد میں ایک بڑے مجمع کے سامنے فرمانے لگے کہ بھائیو تم میں سے جس کو روز قیامت میں اللہ تعالیٰ بخش دے تو میری شفاعت کرنا لوگوں نے تعجب کیا اور کہا کیا ہم آپ کی شفاعت کریں حالانکہ آپ جناب رُسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صاحبزادے ہیں، تو فرمانے لگے کہ یہی چیز میرے لیے باعث بے چینی ہے، اُمّت کے تمام مُسلمان میرے نانا حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مہمان ہیں اور میں اُن کے خاندان کا بچّہ ہُوں، قاعدہ ہے کہ مہمانوں کی خدمت گزاری خاندان کے چھوٹوں پر ضروری ہوتی ہے اگر وہ کوئی کوتاہی کرتا ہے تو صاحبِ خاندان بہت خفا ہوتا ہے اور چھوٹوں کی سرزنش کرتا ہے۔ اگر قیامت میں رُسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھ

حاشیہ مکتوب نمبر (۱) ایک مجلس میں تذکرہ ہُوا کہ امیر الہند مولانا حسین احمد مدنی دامت برکاتہم سیّد ہیں یا نہیں؟ مذاکرہ میں اس قدر شدّت ہُوئی کہ آپس میں رنجشیں ہوگئیں، بجواب عریضہ ہذا حضور اس سوال کا جواب عنایت فرمائیں ہم سب حضور والا کے دامن سے وابستہ ہیں مگر ہم میں سے بہت سے اہل سادات کسی دوسری قوم کو فخر خاندانی کی بنا پر اپنا رہنما ماننے پر تیّار نہیں۔ مکتوب گرامی ۲ شرف صدور ہو کر باعث طمانیت ہُوا کہ حضرت امام العصر دامت برکاتہم کے آباؤ اجداد رحمہم اللہ سیّد تھے، جیسا کہ شجرۂ مبارکہ سے ظاہر ہے، یہ مسلم ہے کہ اسلام نے نجات اور عزت حقیقی کی بنیاد محض تقوی پر رکھی ہے۔ اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا یا معزز و مقبر ہونا ذات پات اور خاندان و نسب سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مؤدب اور پرہیزگار ہوگا اسی قدر اللہ کے ہاں معزز و مکرم ہے۔

ضلالت کدۂ عرب کے اندر یہ وبا جس طرح پھیلی ہُوئی تھی اس سے کون صاحبِ نظر ناواقف ہے سارا عرب تفاخر بالانساب کا اکھاڑا بنا ہُوا تھا، قبیلہ قبیلہ فخر نسب کی دوکانیں سجا سجا کر نقد عزّت حاصل کر رہا تھا، لیکن جب حق و صداقت کی شعاعیں چھٹکیں تو فخر باطل کی ساری گھٹائیں چھٹ کر رہ گئیں، کیونکہ انسان کے لیے معیار شرف

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

سے سوال کیا کہ جعفر تم نے میرے مہمانوں کی کیا خدمت کی تو میں شرم کی وجہ سے منہ نہ اُٹھا سکوں گا

یہ ارشاد حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا صحیح ہے اور سادات کے لیے نہایت عبرت کا فرمان ہے، مگر افسوس کہ ہم انتہائی غفلت میں مبتلا ہیں۔ مَیں نے جب سے یہ ارشاد دیکھا ہے بہت فکرمند رہتا ہُوں اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔

ہمیں فخر نسبی کا موقع صرف اسی وقت حاصل ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور ہمارے آقا ولی نعمت نانا جان حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خوشنودی حاصل ہوجائے اس سے پہلے یہ مفاخرت جہالت اور نادانی ہے۔

سادات کا فرض سب سے زیادہ اور اوّلین ہے کہ آقائے نامدار علیہ السّلام کی لائی ہُوئی شریعت کو زندہ اپنے عمل سے کریں، اور آپ کی سُنتوں پر نہایت مضبوطی سے چلیں اور ہر اُمّتی کا خواہ وہ کیسا ہی غریب اور جاہل اور چھوٹی ذات کا مسلمان ہو احترام کریں اور اُس کی خدمت گزاری کریں۔ وہ ہمارے آقا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مہمان اور بُلایا ہُوا مہمان ہے۔ اُمّیدوار ہوں کہ دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں گے اور واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہہ دیں گے، والسّلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سہارنپور ۱۳ ۶/۶۵ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲) جوہر ذاتی اور خود حاصل کردہ علم وعمل ہے نہ کہ اسلاف کی روایات پارینہ اور نسب فروشی کا غرور باطل، ہم کو ایسا ہونا چاہیے کہ ہماری نسبت سے ہمارے خاندان کو لوگ پہچانیں نہ یہ کہ اپنی عزّت کے لیے خاندان کے شرف رفتہ کے محتاج ہوں۔ البتّہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف بزرگ ومعزز گھرانے میں پیدا کردے، وہ ایک موہوب شرف بزرگی ہے، کیونکہ جدید تحقیقات و انکشافات اس امر پر شاہد عدل ہیں کہ بہت سی چیزیں موروثی طور پر اشخاص و رجال کے اندر پائی جاتی ہیں اور اس سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ بسا اوقات خاندان کے موروثی اثرات خارجی اثرات سے بے نیاز کردیتے ہیں، اس لیے جس شخص کو حق تعالیٰ شرافت، نجابت، حسب ونسب کی عزّت سے سرفراز فرمائے۔ اسے بالمقابل دوسروں کے اور بھی اصلاح اعمال وتزکیۂ نفس واخلاقِ حمیدہ کی طرف مائل ہونا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ عادت اللہ ہمیشہ سے یوں ہی جاری ہے کہ جس کو مرجع خلائق بنانا اور منصب وارشاد واصلاح پر متمکن کرنا متصور ہوتا ہے، اس کو اعزاز خاندانی اور شرافت نسبی سے بھی ممتاز فرمایا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کے

(باقی صفحہ ۴۹ پر)

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

از شاعرِ جمیعت علماءِ ہند جناب انور صابری رح

رَوضۂ مصطفےٰ کو دیکھیں گے — قُبّۂ پُر ضیاء کو دیکھیں گے
گنبدِ سبز پر جما کے نظر — رحمتِ کبریاء کو دیکھیں گے
بابِ رحمت کے گِرد آخرِ شب — وَجد کرتے دُعا کو دیکھیں گے
صُبح کی شبنمی فضاؤں میں — رقصِ مَوجِ صبا کو دیکھیں گے
طائرانِ سحر کے ہونٹوں پر — وِردِ "صَلِّ علیٰ" کو دیکھیں گے
آبِ زم زم سے باوضو ہوکر — حُجرۂ عائشہؓ کو دیکھیں گے
سرورِ انبیاء کے پہلو میں — وارثِ انبیاء کو دیکھیں گے
عُمر بھر کی وفا کا پا کے صلہ — عِشق کی انتہا کو دیکھیں گے

اِعترافِ خطا کے بعد انوؔر
اُن کی شانِ عطا کو دیکھیں گے

جمیعت علماءِ ہند کی کانفرنس ۱۹۴۶ء منعقدہ بمقام لکھنؤ حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی رح کی صدارت میں یہ نعت پڑھی گئی۔ (فی البدیہہ) بشکریہ۔ جناب عبدالرحمان صاحب ملتانی مدظلہ، مرید حضرت مدنی رح مدرسہ رحمانیہ تعلیم القرآن، ایم ایم روڈ ملتان۔

اعمال اور سائنس

حضرت اقدس مولانا مفتی محمود صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

قال النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کلمتان حبیبتان الی الرّحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان "سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم"۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی اِس کتاب (بخاری شریف) میں سب سے آخر میں یہ باب (وزنِ اعمال کا) باندھا، و نضع الموازین القسط لیوم القیٰمۃ ۔ امام بخاریؒ اِس باب میں معتزلہ کا رد کرنا چاہتے ہیں ۔ معتزلہ قیامت کے دن وزنِ اعمال کا انکار کرتے ہیں۔ وہ اپنے اس دعوے پر عقلی استدلال پیش کرتے ہیں کہ اعمال چونکہ اعراض ہیں اور اعراض کا وزن مستحیل ہے، یہ صغریٰ اور کبریٰ دونوں معقولیین (فلاسفہ یونان) کے نزدیک مسلّمات میں سے ہیں۔ یعنی یہ بھی دُرست اور بدیہی بات ہے کہ اعمال اعراض ہیں، اجساد نہیں۔ مثلاً صلوٰۃ، صوم وغیرہ عبادات سب کے سب اعراض ہیں، ان کے اجساد و اجسام نہیں ہیں، اور یہ بھی فلاسفۂ یُونان کے نزدیک صحیح اور مسلّم ہے کہ اعراض کا وزن نہیں ہوتا۔ وزن مختص ہے بالاجساد والاجسام ۔ تو معتزلہ نے اس دلیلِ عقلی کی بناء پر (کہ اعمال اعراض ہیں اور اعراض کا وزن مستحیل ہے) یہ فیصلہ دے دیا کہ قیامت کے روز اعمال کا وزن نہیں ہوگا۔

وزنِ اعمال پر قرآن و حدیث سے جو دلائل دیئے جاتے ہیں اُن کا جواب معتزلہ کے پاس تاویل کے سوا کچھ نہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں جہاں کہیں وزنِ اعمال کا بیان ہے ۔ اس سے مُراد حقیقتاً وزنِ اعمال نہیں بلکہ مُراد یہ ہے کہ عدل ہوگا ۔ قیامت کے دن اعمال تولے جائیں گے، کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن انصاف ہوگا۔

ہم (اہلِ سنّت والجماعت) اس پر یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن ہوگا۔ ہمارا استدلال

قرآن وحدیث سے ہے۔ قرآن کریم کی یہ آیت و نضع الموازین القسط لیوم القیامۃ ۔ جسے امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں پیش کی ہے اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اعمال کا وزن ہوگا۔ ارشاد ہے و نضع الموازین ہم رکھیں گے میزان، کس لیے ؟ القسط (بالکسر جس کے معنی ہیں عدل) یہ القسط مفعول لہٗ ہے، یعنی و نضع الموازین للقسط کہ ہم میزان رکھیں گے عدل کے لیے، اعمال کو تولیں گے، جن کے اعمالِ صالحہ زیادہ ہوں گے اُن کو زیادہ اجر دیں گے اور جن کے کم ہوں گے اُن کو اجر کم ملے گا اور جن کے اعمال کا وزن ہی نہیں ہوگا جیسے کفّار کہ اُن کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا اُنہیں کوئی بھی اجر نہیں ملے گا۔

اَب یہ وزن کب ہوگا ؟ لیوم القیامۃ قیامت کے روز۔

بعض کہتے ہیں کہ القسط صفت ہے موازین کی، یعنی ذوات القسط مطلب یہ کہ ایسے میزان رکھیں گے جو انصاف والے ہوں گے۔ میزان وزن کے آلے کو کہتے ہیں۔

معلوم ہُوا کہ وازن یعنی تولنے والے اللہ تعالیٰ ہوں گے و نضع الموازین میں نضع کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے، موزون لہ (کہ کس لیے وزن ہوگا) القسط ہے یعنی وزن عدل کے لیے ہوگا ؛ موزون فیہ قیامت ہے یعنی یہ وزنِ اعمال قیامت کے روز ہوگا۔

بہرحال قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہُوا کہ وزن ہوگا۔ ہمارا استدلال بالکل واضح ہے۔ قرآن میں اس کے سوا بھی کافی دلائل موجود ہیں۔ اسی طرح احادیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے روز وزن ہوگا۔ امام بخاریؒ نے اس باب کے نیچے جو حدیث پیش کی ہے، وہ بھی اس کا واضح ثبوت ہے۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ قرآن وحدیث دونوں وحی ہیں اور وحی سے جو استدلال ہوتا ہے وہ ہی قطعی ہوتا ہے۔ عقل کے فیصلہ کو قطعی نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ عقل بسا اوقات غلط فیصلے کرتی ہے۔ عقل اس مقام پر نہیں پہنچ سکتی جہاں وحی پہنچتی ہے۔ معتزلہ نے جو یہ کہا ہے کہ اعمال کا وزن مستحیل ہے، غلط ہے، وحی اس کی تردید کرتی ہے اور اب تو سائنس نے بھی یہ واضح کر دیا کہ معتزلہ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ سائنس نے معتزلہ کے اس دعویٰ کی تغلیط کیسے کی ؟ یہ بعد میں بیان کروں گا۔

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ مسلم اور غیر مسلم مومن اور کافر کی تمیز ہی اس سے ہوتی ہے کہ جو وحی کے مقابلہ میں عقل کے فیصلوں کو مانتا ہے وہ کافر ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ مومن ہے۔

اگر ایک شخص عقل کے فیصلے کو وحی کے فیصلے کے مقابلہ میں چھوڑ دیتا ہے، وہ عقل کے فیصلے پر اس وقت تک عمل کرتا ہے جب تک وحی کا فیصلہ اس کے مقابلہ میں نہ آجائے۔ وحی کا فیصلہ سامنے آتے ہی وہ اپنی عقل کو ناقص قرار دے کر اس کے فیصلے کو ترک کر دیتا ہے اور وحی کے فیصلہ کو مان لیتا ہے، وہ شخص مومن ہے اور جس نے وحی کے فیصلہ کے باوجود اپنی عقل کے فیصلہ کو قائم رکھا، یہ ہے کافر۔ تو یہ تمیز ہوئی کافر اور مومن کی۔

کافر کے معنیٰ یہ نہیں کہ وہ کسی بھی صحیح بات کو تسلیم نہ کرے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی عقل کا فیصلہ وحی کے فیصلے کے مطابق ہوتا ہے۔ جسے وہ اس لیے تسلیم کرتا ہے کہ اس کی عقل کا فیصلہ یہی ہے نہ کہ اس لیے کہ یہ وحی کا فیصلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس کی عقل کے فیصلے اور وحی کے فیصلے میں تقابل آتا ہے تو کافر وحی کے فیصلے کا انکار کرتا ہے اور عقل ہی کے فیصلہ کو درست سمجھتا ہے، لیکن مرد مومن بہر صورت وحی کے فیصلہ کو تسلیم کرتا ہے تو مومن وہ ہے جو وحی کے مقابلہ میں اپنی عقل کے فیصلہ کو ترک کر دیتا ہے اور وحی کے فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

آپ نے پڑھا ہوگا کہ ... جناب نبی کریم علیہ الصّلاۃ والسلام معراج کی رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے آپ کو جسدِ عنصری کے ساتھ آسمانوں پہ اُٹھا لیا گیا۔ روحانی یا منامی معراج نہیں بلکہ جسمانی معراج کرائی گئی۔ حدیث میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے کہ پہلے آسمان پر تشریف لے گئے۔ پھر دوسرے پھر تیسرے پر۔ اسی طرح جہاں تک اللہ نے چاہا چلے گئے، اور پھر اُسی رات واپس تشریف لے آئے، صبح کو آپ نے مکّہ مکرّمہ کے لوگوں کو رات کا یہ واقعہ سُنایا کہ اس طرح گیا یہ کچھ دیکھا وغیرہ وغیرہ۔ سُننے والوں میں ابوجہل بھی تھا اُس نے حضورؐ سے کہا کہ اگر میں قریشِ مکّہ کو اکٹھا کر لوں تو کیا قریشِ مکّہ کے اجتماع میں بھی آپ اس بات کو دہرائیں گے؟ آپ نے فرمایا آپ اکٹھا کر لیں جو حقیقت ہے وہ میں اس مجمع کے سامنے ضرور بیان کروں گا۔ ابوجہل کا خیال یہ تھا کہ یہ بات کہ کوئی جسدِ عنصری کے ساتھ آسمانوں پر چلا جائے چونکہ خلافِ عقل ہے اس لیے جب قریشِ مکّہ ان (حضور) سے یہ سُنیں گے تو ضرور منحرف ہو جائیں گے اور جیسے کہ ہم

یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ شخص دیوانہ ہے اس واقعہ کو سُن کر وہ بھی اِسے دیوانہ سمجھنے لگیں گے، اور اسی طرح ہم جیت جائیں گے، چنانچہ وہ بدبخت قریش کو اکٹھا کرنے کے ارادہ سے چلا۔ راستہ میں حضرت صدّیق اکبرؓ ملے۔ ابوجہل بولا ابوبکر! ایک بات آپ سے دریافت کرنی چاہتا ہُوں، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں جسدِ عنصری کے ساتھ آسمانوں پہ چلا گیا اور ایک رات میں مختلف جگہوں کی سیر کی اور صُبح کو بدستور گھر میں ہی تھا تو کیا تم یہ مان جاؤ گے۔ ابوبکر نے فرمایا کہ ہرگز نہیں یہ تو عقل کے خلاف باتیں ہیں۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کے بعد ابوجہل نے بتایا کہ وہ جو تمہارا دوست ہے جس کی وجہ سے تم نے تمام قوم کو چھوڑ دیا ہے، یہ باتیں ہیں ابھی ابھی اسی سے سُن کر آیا ہُوں، ابوبکر فرمانے لگے کہ اگر میرے اس دوست نے یہ باتیں فرمائی ہیں تو اٰمنا به وصدّقنا میرا اس پر ایمان ہے۔ اُنہوں نے جو کچھ فرمایا دُرست فرمایا ہے۔ مَیں ان سب باتوں کی تصدیق کرتا ہوں۔ ان کی کوئی بات غلط ہو ہی نہیں سکتی ــــ غور کریں ابوبکر نے جب ابوجہل یعنی ایک کافر کی زبان سے یہ سُنا کہ حضور یہ فرماتے ہیں تو اپنی عقل کے فیصلے کو فوراً اور بلا تأمل ترک کر دیا اور وحی کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا۔ اور ابوجہل نے بلاواسطہ خود حضور اکرم کی زبان فیض ترجمان سے یہ باتیں سُنی تھیں، مگر وہ وحی کے فیصلے کے سامنے سر جھکانے کے بجائے اپنی عقل کے فیصلے پر قائم رہا۔ تو مومن وہ ہے جو وحی کے فیصلوں کے سامنے عقل کے فیصلوں کو چاہے وہ بظاہر کتنے ہی خوبصورت کیوں نہ ہوں چھوڑ دے، اور وحی کے فیصلوں کو تسلیم کر لے۔ (جاری ہے۔)

ماہنامہ انوارِ مدینہ لاہور

اِس دینی رسالہ سے آپکا تعاون آپ کے اَجر اور اسکے اِستحکام، بقاء، اور ترقی کا باعث ہوگا۔

★ اِس کے خریدار بنیئے اور دوسروں کو خریدار بنائیے۔
★ اِس میں اشتہار دیجئے اور دوسروں سے دلوائیے۔
★ اِس کے لیے مضامین لکھیئے اور اپنے مضمون نگار دوستوں کو اس کیلئے مضمون لکھنے کی ترغیب دیجئے۔

المُضَارَبَة

حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

نحمدہٗ نصلّی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

اُردو میں اسے مضاربت لکھتے اور بولتے ہیں۔ عربی میں اسے مُقَارَضَہ اور مُعَامَلہ بھی کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک شریک کا روپیہ ہو اور دوسرے شریک کی محنت ہو۔

تجارت کے طریقوں میں مضاربت کا ثبوت اس حدیث سے ملتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچا حضرت عبّاسؓ بن عبدالمطلب اس طریقہ سے تجارت کرتے تھے۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے جائز قرار دیا۔ وہ جسے روپیہ دیتے تھے اس سے یہ شرطیں طے کرلیا کرتے تھے، کہ وہ مال[1] لے کر بحری سفر نہ کرے۔ مال[2] کسی وادی میں نہ اُتارے (کیونکہ وادی نشیب میں ہوتی ہے اور پہاڑی علاقہ میں کہیں دُور بارش ہُوئی ہو تو اچانک پانی بے خبری میں آکر سامان وغیرہ سب بہالے جاتا ہے۔) ایک شرط یہ طے کیا کرتے تھے کہ میرا مال جانور خریدنے کے کام میں نہ لانا۔ اگر تم نے ایسا کیا اور پھر کوئی نقصان ہُوا تو تم پر ضمان آئے گا۔ جناب رُسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ شرطیں دُرست قرار دیں۔

مضاربت کے ثبوت کی دوسری دلیل اجماع صحابہ ہے۔ سیّدنا عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا وعنہم نے مضاربت پر مال دیا ہے اور ان حضرات نے یتیم بچّوں کے مال مضاربت پر دیئے ہیں۔ یہ سب کچھ سب صحابہ کرام کے سامنے ہوتا رہا، اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی، اس لیے اسے اجماع کہا گیا ہے۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ اور عبیداللہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے، عراق گئے اور ان دنوں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وہاں امیر تھے۔ اُنہوں نے اُن سے

فرمایا کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو مَیں آپ کو پیش کرتا۔ میرے پاس مرکزی بیت المال بھیجنے کے واسطے روپیہ رکھا ہے آپ ایسا کریں کہ اس کا یہاں سے سامان خرید لیں۔ مدینہ منوّرہ پہنچ کر فروخت کر کے روپیہ بیت المال میں داخل کر دیں اور نفع آپ رکھ لیں۔ جب یہ مدینہ منوّرہ حاضر ہُوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سُن کر فرمایا کہ یہ روپیہ کسی کا بھی نہیں ہے۔ یہ روپیہ بیت المال (اسٹیٹ بینک) کا ہے اور یہ سب مسلمانوں (عوام) کا ہے اس لیے روپیہ اور نفع سب بیت المال میں داخل کر دو، یہ نفع بھی سب مسلمانوں کا (عوام کا) ہی رکھو۔ اس پر عبداللہ رضؓ خاموش ہو گئے اور عبیداللہ نے عرض کیا کہ اس میں ہماری محنت اور ذمّہ داری بھی شامل ہے کہ اگر یہ ہم سے تلف ہو گیا ہوتا تو ہم اس کے ذمّہ دار ہوتے اور ضمان دیتے، اور صحابۂ کرامؓ بھی موجود تھے۔ اُنھوں نے رائے دی کہ اے امیرالمومنین آپ ان دونوں کا مضاربت کی طرح نفع میں حصّہ کر دیجیے، آدھا نفع اُن کو اور آدھا بیت المال کو دے دیجیے۔ آپ نے اس صورت پر عمل کرنے کی اجازت دے دی۔ غرض جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ سے لے کر اب تک ہر دَور میں اس صُورت پر عمل چلا آرہا ہے اور کبھی کسی نے اسے منع نہیں کیا اور اجماعِ اُمّت جس زمانہ میں بھی ہو حجت ہوتا ہے چہ جائیکہ ہر دَور میں پایا جارہا ہو۔ نیز عقلی طور پر بھی ظاہر ہے کہ تجارت کی اس صُورت کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے پاس مال ہوتا ہے اور تجارت کی اہلیت نہیں ہوتی اور دوسرے شخص کا ذہن تجارتی ہوتا ہے، لیکن اس کے پاس مال نہیں ہوتا۔ تو اس صورت کے شروع ہونے میں دو ضرورت مندوں کی ضرورت رفع ہوتی ہے اور حق تعالیٰ نے خرید و فروخت کا سلسلہ بندوں کے مصالح کے لیے اور اُن کی ضرورتوں کو پُورا کرنے ہی کے لیے رکھا ہے۔ بدائع الصنائع ص ۷۹ ج ۶

اس تجارتی معاملہ کو طے کرنے کے لیے شریعت نے جو طریقہ بتلایا ہے اس میں کچھ شرائط رکھ دی ہیں۔ اگر ان شرائط کے مطابق ہوگا تو جائز ہوگا ورنہ ناجائز۔

ایک شرط یہ ہے کہ کاروبار میں جتنا روپیہ لگانا ہے وہ طے ہو اور دوسرے شخص کو صاف طرح بتلا دیا جائے کہ مَیں اتنا روپیہ دوں گا۔

(۲) اور روپیہ دے بھی دیا جائے تاکہ کاروبار چلنے لگے، ورنہ معاملہ فاسد شمار ہوگا۔

(۳) نفع کی تقسیم بھی طے ہو کہ روپے والے کو کتنا اور محنت والے کو کتنا نفع ملے گا اگر مقدار نفع طے نہ ہوئی۔ اگر صرف اتنی ہی بات کی گئی ہے کہ نفع ہم دونوں کا ہوگا تو ہر صورت میں نفع آدھا آدھا ہو جائے گا۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۸۵)

(۴) اگر نفع کی تقسیم کے لیے یہ طے کیا کہ نفع میں مثلاً ایک ہزار میرے (صاحب مال کے) اور باقی تمہارے (یعنی محنت کرنے والے کے) یا اس کے برعکس تو یہ درست نہیں۔ معین رقم نہیں طے کی جا سکتی اس سے عقد فاسد ہو جائے گا۔ نفع متعین کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ روپیہ دینے والا اپنا ایک حصہ رکھ لے نفع کا چوتھائی یا تہائی یا نصف وغیرہ جو بھی دونوں میں طے ہو جائے۔ اگر نفع ہوگا تو کام کرنے والا اس میں حصّہ کا حقدار ہوگا، اور نفع نہ ہوا تو نہیں۔

(۵) یہ شرط بھی دُرست نہیں ہے کہ اگر نفع نہ ہوا تب ہم آپ کو (کام کرنے والے کو) اصل مال میں سے اتنا دیں گے، اس سے بھی مضاربت میں فساد آجاتا ہے۔

(۶) اگر یہ طے کیا کہ نقصان کی صورت میں ـــــ نقصان بذمۂ کارکن ہوگا۔ یا یہ طے کیا کہ نقصان میں دونوں (پیسے والا اور کام کرنے والا) شریک ہوں گے تو یہ بھی غلط ہے۔ نقصان کی صُورت میں صرف روپیہ دینے والا شریک ہی اسے برداشت کرے گا۔

(۷) اگر صاحبِ مال نے یہ طے کیا کہ میں خود یا میرا فلاں آدمی تمہارے ساتھ کام کیا کرے گا تو بھی مضاربت نہیں رہے گی (کیونکہ یہ صُورت مضاربت کی نہیں ہوتی مضاربت میں ایک کا روپیہ اور دوسرے کا کام ہوا کرتا ہے)۔

(۸) مذکورہ بالا ممنوعہ شرائط میں سے اگر کوئی شرط رکھ لی ہو تو مضاربت ختم ہو جائے گی اور یہ فیصلہ دیا جائے گا کہ کام کرنے والا شخص ملازم ہے۔ اس شخص کو صاحب مال اتنی تنخواہ دینے کا ذمّہ دار ہے جتنی رواجاً اس جیسے ملازم کی ہوا کرتی ہے اور نفع نقصان صاحبِ مال ہوگا، البتّہ اگر تنخواہ کی رقم زیادہ بنتی ہو اور نفع کم ہوا ہو تو یہ فیصلہ دیا جائے گا کہ نفع ہی دے دیا جائے، اور آئندہ کے لیے وہ از سرِ نو معاملہ طے کر کے کام کریں یا معاملہ ختم کر دیں۔

(۹) صاحبِ مال اگر شروع ہی میں معاملہ فسخ کرنا چاہتا ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ کام کرنے والے ساتھی نے سامان خرید لیا ہے یا نہیں اگر اس نے سامان خرید لیا ہو تو اَب صاحبِ مال

معاملہ کو فسخ نہیں کرسکتا اور اگر سامان نہ خریدا ہو تو فسخ کرسکتا ہے۔

(۱۰) مضاربت کے طریقہ پر تجارت غیر مسلم کے ساتھ بھی کی جاسکتی ہے۔

مُزَارَعَہ یعنی زمین کھیتی بونے کے لیے بٹائی پر دینی۔ یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ امام اعظمؒ کے اس فتوے پر امام شافعی رحمہ اللہ کا عمل بھی رہا ہے۔

لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہر دو جلیل القدر شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمدؒ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

جو حضرات مزارعت کو جائز قرار دیتے ہیں اُن کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب خیبر کا علاقہ فتح کیا تو وہاں کی یہودی آبادی کو آپ نے وہیں رہنے دیا اور زمین جو مسلمانوں کی ہوچکی تھی، اُنہیں بٹائی پر دے دی۔ مزارعت کا نام مُخَابَرَہ (یعنی خیبر والا معاملہ) بھی ہے۔

لیکن امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کے ساتھ آپ کا یہ معاملہ مزارعت کے طریقہ پر نہ تھا بلکہ یہ اُن سے خراج وصول کرنے کی ایک صورت تھی جس کی دلیل یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سے ارشاد فرمایا تھا۔

نُقِرُّکُمْ مَا اَقَرَّکُمُ اللّٰہ۔ ہم تمہیں جب تک خُدا چاہے گا اس صورت پر قائم رکھیں گے۔ آپ نے اس کے لیے کوئی مُدّت مقرّر نہیں فرمائی تھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خراج ہی تھا۔ (اُسے امام اعظمؒ نے خراجِ مُقَاسَمَہ کا نام دیا ہے) کیونکہ اگر یہ مزارعت ہوتی تو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مُدّت ضرور مقرر فرما دیتے۔ مُدّت کے تعیّن کے بغیر کسی کے نزدیک بھی مزارعت ٹھیک نہیں سمجھی گئی۔ نیز کسی بھی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے خیبر کے یہودیوں سے جزیہ لیا ہو۔ اگر خیبر کی زمین یہودیوں کو بٹائی پر دی گئی ہوتی تو جزیہ ضرور لیا گیا ہوتا، اس سے مزید واضح ہو رہا ہے کہ زمین یہودیوں کو بٹائی پر نہ دی گئی تھی بلکہ جزیہ وصول کرنے کا یہ طریقہ اختیار فرما لیا تھا۔ اسی میں جزیہ داخل تھا۔ اسی کا نام خراج مُقَاسَمَہ

ہے اور مسلمانوں کے آپس کے معاملہ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے۔ نھی النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم عن المخابرہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مُخابرہ (مزارعت) سے منع فرمایا ہے۔ (یہ حدیث امام بُخاریؒ نے بھی تحریر فرمائی ہے (بُخاری ج ۱ ص ۳۲)

البتہ امام اعظمؒ اس صُورت کو جائز قرار دیتے ہیں کہ سفید زمین کرایہ پر دے دی جائے، یہی حضرت ابنِ عبّاس کا فتوی تھا (رضی اللہ عنہما) اِنَّ اَمْثَلَ مَا اَنْتُمْ صَانِعُوْنَ اَنْ تَسْتَاْجِرُوا الْاَرْضَ الْبَیْضَاءَ مِنَ السَّنَةِ اِلَی السَّنَةِ۔

(بخاری ص ۳۱۵ ج ۱)

لیکن فتوی صاحبین۔ (امام ابو یوسفؒ و محمدؒ) کے قول ہی پر ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے تعامل کو (عمل) اہمیّت دی کیونکہ تعامل صحابہ و تابعین خود بڑا وزن رکھتا ہے۔ وہ دلیل جواز ہے۔ نیز اس میں سہولت زیادہ ہے اس لیے کہا جائے گا کہ افضل تو یہی صورت ہے کہ زمین کرایہ پر دے دی جائے، لیکن جائز یہ بھی ہے کہ بٹائی پر دے دی جائے۔

مزارعت یعنی بٹائی پر زمین دینے کے تفصیلی احکام تو کُتب فقہ میں ہیں، لیکن مزارعت کے آسان آسان کچھ احکام (قاعدے قانونی) یہاں بھی درج کر رہا ہوں۔

(۱) دونوں میں یہ طے ہونا چاہیے کہ کیا بویا جائے گا۔

(۲) مزارع کھیتی باڑی ہی کر سکتا ہے، درخت نہیں بو سکتا۔

(۳) پیداوار میں حصّہ ہر ایک کا صاف معیّن ہو گا چوتھائی تہائی نصف جو بھی ہو۔

(۴) ہر دو کا حصّہ اسی زمین سے پیدا شُدہ کھیتی میں لیا دیا جائے گا، کیونکہ بات ہی اس زمین کی اور اس کی پیداوار کی ہے۔

(۵) زمین قابلِ کاشت ہو، بنجر زمین مزارعت پر نہیں دی جاتی۔

(۶) زمین اور اس کی حدود متعین ہوں۔

(۷) زمین اس مُدّت میں فقط مزارع کے عمل دخل میں رہے گی۔ مالک دخل نہ دے گا۔

(۸) اگر ٹریکٹر اور بیج مالک زمین نے دینے طے کیے ہیں تو بھی جائز ہے اور اگر مالک زمین فقط زمین دے رہا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور اگر زمین اور بیج مالک کے اور ٹریکٹر یا بیل

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

سرگزشت

مُحمّد علی خان بریلوی

عُرف جیمی گرین

قسط (۱)

۱۸۵۷ء کے چشم دید واقعات اور پُر اثر روایتیں اکثر انگریزوں نے یادداشتوں اور سرگذشتوں کے نام سے چھاپی ہیں۔ چنانچہ ایک انگریز فوجی افسر فوربس میچل نے بھی جو کان پور اور لکھنؤ دونوں جگہ کے معرکوں میں شریک تھا اپنے روزنامچہ سے ایک کتاب مرتّب کر کے شائع کی۔ یہ کتاب میسرز میکمیلن اینڈ کو کے یہاں چھپی تھی اور اس کے ایک حصّہ کا اُردو ترجمہ جو محمّد علی خاں، عُرف جیمی گرین کے حالات پر مشتمل ہے۔ منشی محمّد شفیع الدّین خاں مراد آبادی نے جولائی ۱۸۹۶ء میں شائع کیا تھا۔ اصل انگریزی کتاب اور یہ ترجمہ اب قریب قریب ناپید ہے۔ ایک نسخہ مفتی محمّد انتظام اللہ صاحب شہابی، اکبر آبادی کے پاس موجود ہے۔ اس کو اس مضمون کا ماخذ سمجھنا چاہیے۔

گوروں کی رجمنٹ ۹۳ (ترکوں اور رُوسیوں کی کریمیا کی لڑائی کے بعد جس میں سلطان المعظم کو فتح نصیب ہُوئی تھی) انگلستان سے مئی ۱۸۵۷ء میں لارڈ الگن موجودہ وائسرائے ہند کی ماتحتی میں روانہ ہُوئی۔ افریقہ پہنچنے پر ہندوستان کا غدر فرو کرنے کے لیے یہاں بھیج دی گئی اور ۲۷ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو لکھنؤ اور کان پور کے مرحلوں کے بعد نانا راؤ کا تعاقب اور بعض مفسدوں کی سرکوبی فتح گڑھ میں کر کے دوبارہ لکھنؤ جا رہی تھی۔ ۱۰ فروری کو اناؤ میں قیام تھا اور دس روز تک یہیں ٹھہرنا پڑا۔

میچل صاحب (جن کی کتاب سے ترجمہ کر کے یہ سرگذشت لکھی جاتی ہے) لکھتے ہیں کہ

ایک روز مَیں خیمہ کے اندر لیٹا ہُوا تھا کہ سامنے سے ایک شخص کو صدا لگاتے سُنا۔ پلم کیک نہایت عمدہ پلم کیک۔ اوّل چکھو، بعد میں خریدو۔ چونکہ بسکٹ اور معمولی گوشت کھاتے کھاتے جی اُکتا گیا تھا۔ لہٰذا اس مٹھائی والے کا وہاں آنکلنا بہت ہی اچھا معلوم ہُوا، اور اُسے فوراً اندر بُلا کر چکھوتیاں شروع کیں۔ یہ مٹھائی فروش بڑا ہی خُوبصُورت جوان تھا۔ اس کے کپڑے انتہا درجہ کے سفید تھے۔ داڑھی اور مُونچھیں خُوب چڑھی ہُوئی تھیں۔ ماتھا چوڑا اور ناک ذرا خم دار تھی۔ آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی تھی اور باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ لشکری نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ جو مزدور تھا، بڑا ہی شریر معلوم ہوتا تھا۔

مَیں نے (یعنی میچل نے) اس سے پُوچھا، تمہارے پاس، پاس ہے؟

مٹھائی فروش: جی ہاں! کیوں نہیں لیجیے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ بریگیڈیئر میجر صاحب نے نہیں۔ خود بریگیڈیئر صاحب نے دیا ہے۔ مَیں جیمی گرین کے نام سے مشہور ہوں۔ اور دوسرے رجمنٹ کے خانساماں کا لڑکا ہُوں۔ شیرر صاحب مجسٹریٹ کانپور کی سفارشی چٹھی جنرل ہوپ صاحب کے نام لایا ہوں۔

مَیں نے چٹھی دیکھی تو واقعی شیرر صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہُوئی تھی اور جنرل ہوپ صاحب کے نام تھی۔ مٹھائی فروش کی ہیئت کے علاوہ جس بات پر مجھ کو سخت حیرت تھی وہ اس کی صاف و سُتھری انگریزی تھی جس کو وہ نہایت بے تکلّفی سے بولتا تھا۔ مجھ سے انگریزی اخبار لے کر پڑھنے لگا اور فوج کے متعلّق ہر قسم کی بات چیت شروع کر دی۔ اُس نے پُوچھنا شروع کیا۔ آج کل کتنے جوان ہیں؟ آپ نے لکھنؤ کے محاصرے کے لیے کیا کیا تیاّریاں کی ہیں؟ آپ لوگ تو ولایت سے ابھی ابھی آرہے ہیں، گرمی کیسے گزاریئے گا؟

مَیں نے اس ضمن میں اُس کی شُستہ و شگفتہ انگریزی کا ذکر کیا تو کہنے لگا کہ میرا باپ مسکوٹ میں خانساماں ہے۔ اُس نے بچپن میں مجھے انگریزی سکھلائی۔ مَیں نے رجمنٹ سکول میں انگلش کی تعلیم پائی ہے۔ عرصہ تک مسکوٹ کا کلرک بھی رہا ہُوں، وہاں سارا حساب و کتاب انگریزی میں لکھتا تھا۔ اس عرصہ میں اس شریر نوکر اور ایک گورے میں لڑائی ہونے لگی۔ مَیں نے اُس سے کہا۔ ارے میاں تمہارا یہ نوکر تو بڑا ہی لڑاکا ہے، کہنے لگا۔ حضور آپ اس کا خیال نہ فرمائیے۔

یہ بڑا ہی شریر ہے۔ آئرلینڈ کا رہنے والا ہے۔ اس کی ماں آٹھویں آئرش رجمنٹ میں رہتی ہے اور اُس کا سب پر زور ہے۔ یہ پنجاب سے ابھی ابھی آگرہ کی فوج کے ہمراہ آیا ہے۔ کانپور کے کمانیر نے اسے موقوف کر دیا ہے کیونکہ اس کی میم نوعمر تھی اور تیکھی چتون پر عاشق ہو گئی تھی۔

خیر مذاق تو ہو گیا مگر مٹھائی لے کر قیمت نہ دینا آپ ہی کا کام ہے۔ ان دل کش باتوں پر سب لوگ اس قدر ریجھ گئے کہ زبردستی اس گورے سے جس نے مٹھائی اس شریر نوکر سے چھین لی تھی، دام دلوا دیئے۔ اُسی روز شام کو میں نے سُنا کہ جیمی گرین جو اپنے آپ کو مسکوٹ کے خانساماں کا بیٹا بتاتا تھا، لکھنؤ کا جاسوس نکلا چونکہ شام ہو گئی تھی، اس لیے اُسے پھانسی نہ دی گئی۔ میری حراست میں بھیج دیا گیا، اور زائد سنتری پہرے کے لیے تعینات کر دیئے گئے۔ اس وقت مجھ کو بڑا صدمہ گزرا، کیونکہ مَیں اُس کی اوّل ہی ملاقات سے اُس کا دم بھرنے لگا تھا۔ اَب میرا وہ تعجب بھی جاتا رہا کہ ایسا مہذّب اور تعلیم یافتہ شخص لشکری بنا ہُوا ہے۔

اُس کا نوکر وہ جلّاد بوچر تھا جس نے جولائی ۱۸۵۷ء میں خُون کی ندیاں بہائی تھیں اور فسپٹ صاحب نے اپنی کتاب میں جو اُس کا حلیہ لکھا تھا وہ قطعی ٹھیک تھا۔ کیونکہ وہ طویل القامت، بدصُورت، سیاہ فام، چیچک رو تھا۔

جب یہ دونوں میرے پہرے میں دیے گئے تو بعض گوروں نے کہا کہ ان کو بازاری سور کا گوشت کھلانا چاہیے، لیکن مَیں نے صاف کہہ دیا کہ اگر کسی نے ایسی بات کا ارادہ بھی کیا تو مَیں فوراً حکم عدولی کے جُرم میں حوالات کر دوں گا۔ مَیں نے یہ الفاظ جو ڈانٹ کر کہے، سب ڈر گئے اور پھر کسی نے کچھ نہ کہا۔

جیمی گرین کے چہرے سے سچّے شکریہ کے آثار پائے جاتے تھے۔ کہنے لگا۔ خدائے کریم اور اُس کا رسول پاک آپ کو اس کا اجر دے گا، اور اس لڑائی میں بال تک آپ کا بیکا نہ ہو گا۔

مَیں نے یہ سُن کر کہا کہ میں حتی الوسع تمہیں آزادی دلانے کی کوشش کروں گا۔ اور اُسے

نماز پڑھنے کی اجازت دے دی، لیکن وہ شریر نوکر کہنے لگا مَیں ہرگز کافروں کا احسان نہیں لوں گا۔ اس پر اُس کا مالک یعنی جیمی گرین بولا۔ ارے کمبخت! سارجنٹ صاحب (کیونکہ مَیں اُس وقت سارجنٹ ہی تھا) کا ہم کو ممنون ہونا چاہیے کہ اُنھوں نے ہمیں سوؤر کی چربی سے بچالیا۔

مَیں نے ارادہ کیا کہ آج تمام رات جاگوں ورنہ یہ لوگ کہیں بھاگ گئے تو مفت میں بدنام ہوں گا، اور یہ تو مَیں خُوب جانتا تھا کہ رات اُن کی زندگی کی آخری رات ہے لہٰذا مَیں نے ایک مُسلمان دوکاندار کو بُلا کر کہا کہ یہ جو مانگیں، انہیں لادو اور قیمت مجھ سے لے جاؤ۔ وہ کہنے لگا۔ جب آپ عیسائی ہوکر اتنا سلوک کرتے ہیں تو تف ہے اُس مسلمان پر جو ایک پائی بھی لے۔ مَیں نے ایک کمبل جیمی گرین کو دیا اور اُسے اپنی سرگزشت سُنانے پر مجبور کیا۔

مَیں نے اُس سے کہا۔ سُنو جیمی گرین! یہ تم اور مَیں خُوب جانتے ہیں کہ آج کی رات تمہاری زندگی اور ہے اور صبح کو ضرور پھانسی لٹکو گے۔ لہٰذا اگر تم مجھے اپنی پُوری اور سچّی سرگزشت سُناؤ تو مَیں بہت شُکرگزار ہوں گا۔ اُس نے کہا۔ صاحب آپ نے ہم پر اتنی بڑی عنایت کی ہے جس کی کچھ حد نہیں۔ میری سرگزشت آپ کان لگا کر سُنیے۔

مَیں بیگم کی فوج کا ایک افسر ہُوں اور لکھنؤ سے محض اس غرض سے آیا تھا کہ اس فوج کی جو ہمارے مقابلہ کو جارہی ہے، حالت دیکھوں۔ میرا عہدہ فوج میں چیف انجنیئر کا ہے اور خفیہ حالات دریافت کرنے نکلا ہُوں، لیکن خدا کی مرضی میں کس کو دخل۔ لکھنؤ میں میرا انتظار ہوگا اور یہاں مَیں موت کے مُنہ میں جانا چاہتا ہُوں۔ اگر نصیب یاور ہوتا، تو آج رات ہی جا پہنچتا، کیونکہ ضروری بات دریافت کرچُکا تھا، مگر اناؤ راہ میں پڑھ جانے کے سبب اس لالچ میں آگیا کہ دیکھوں محاصرہ کرنے والی فوج چل دی کہ نہیں۔ اس ولدالزّنا قصاب نے مجھ کو جاسوس کہہ کر گرفتار کرا دیا۔ یہ مردُود وہ ہے جس نے اوّل انگریزوں کو پھانسی دلوائی اور خود قتل کیا، اور اَب خود اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔ مَیں نے ٹوک کر کہا۔ تمہارا اصلی نام کیا ہے؟ مَیں تمہارے حالات لکھ کر اپنے دوستوں کو اسکاٹ لینڈ اور لندن میں بھیجنے والا ہُوں۔ اُس نے کہا۔ آپ مجھ سے میرا نام دریافت کرنا چاہتے اور اپنے اسکاچ دوستوں کو میرا حال لکھنا چاہتے ہیں۔ خیر مجھے اس سے کوئی تعرض نہیں۔ انگلستان اور سکاٹ لینڈ کے لوگ منصف مزاج ہیں وہ میری سرگزشت پڑھ کر ضرور متاسف ہوں

گے، خود میرے بھی دوست لندن اور اڈنبرا میں موجود ہیں۔ مَیں وہاں دو دفعہ ہو آیا ہُوں۔ میرا نام محمّد علی خاں ہے۔ مَیں روہیل کھنڈ کے ایک بڑے شریف خاندان سے ہُوں۔ مَیں نے بریلی کالج میں تعلیم پائی ہے اور انگریزی زبان میں خصوصاً بڑا نام پیدا کیا ہے۔ بریلی کالج سے انجنیئرنگ کالج رڑکی گیا تاکہ سرکاری کمپنی کی ملازمت اختیار کروں۔ رڑکی کالج کے امتحان میں اوّل آیا اور تمام انگریزوں سے مَیں نے بہت زیادہ نمبر پائے، مگر نتیجہ یہ ہُوا کہ کمپنی کے انجنیئروں میں صرف جمعدار مقرر ہُوا، اور اس سارجنٹ کی ماتحتی میں دیا گیا جو سوائے جہالت اور وحشی پن کے مجھ سے ہر بات میں کم تھا۔ اگر ولایت میں ہوتا تو صرف بڑھئی ہوتا۔ ہم دونوں پہاڑ پر تعینات ہُوئے۔ جیسے اکثر خر دماغ ہُوا کرتے ہیں وہ بھی یورپین عیبوں کی مجسّم تصویر تھا یعنی مغرور، خود رائے اور خود غرض (باقی اگلے شمارہ میں)

بقیہ: المضاربہ

اور ہل مزارع کے ہوں تو یہ بھی دُرست ہے۔

(۹) اگر زمیندار ٹریکٹر دے رہا ہے اور کاشت کار بیج دے رہا ہے تو اس صُورت میں امام ابو یُوسفؒ و محمّدؒ (صاحبین) میں بھی اختلاف ہے۔ امام محمّدؒ منع کرتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ یہ صُورت نہ اختیار کی جائے۔

(۱۰) کچھ بیج مالک زمین اور کچھ کاشتکار دے یہ بھی دُرست نہیں۔

(۱۱) اگر ایک شخص نے زمین دی۔ ایک نے بیج دیا ایک نے ٹریکٹر اور چوتھے نے کام کیا تو یہ جائز نہیں۔ اسی طرح کا واقعہ جناب رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں پیش آیا تھا تو آپ نے اُسے غلط قرار دیا تھا۔

(۱۲) ٹریکٹر، یا ہل اور بیل۔ مہیّا کرنے کی شرط کسی طرف سے بھی دوسرے پر لازمی نہیں قرار دی جائے گی۔ اس پر کوئی بھی فریق دوسرے سے نہیں جھگڑ سکے گا اور مزارع مالک زمین کو پابند نہیں کر سکتا۔

(۱۳) مُدّت مزارعت بھی طے کرنی چاہیے۔ اس کی ابتداء بھی اور انتہاء بھی بہتر یہی ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۶ - ص ۱۷۵ تا ۱۸۲)

شیخ الحدیث حضرۃ علامہ مولانا سید محمد میاں

(قسط — ۲)

جمہوریت اپنے آئینے میں

اور

اسلامی نظامِ حکومت کا مختصر خاکہ

وضع قانون اگر کسی ایک شخص کو یہ حیثیت نہیں دی جا سکتی کہ وہ خلقِ خدا کا مالک ہو اور جو کچھ وہ کہہ دے قانون بن جائے اگر اس کو استبداد اور جبر و قہر کہا جاتا ہے تو چند افراد کو بھی یہ حیثیت نہ ملنی چاہیئے کہ وہ قانون ساز بن کر خلقِ خدا کی جانوں اور ان کی ملکیتوں میں تصرف کریں واضع قانون خود تصرف نہیں کرتا، کسی کو پھانسی، کسی کی جان بخشی، کسی کے قید و بند، کسی کے مال ضبط کر لینے اور کسی پر جرمانہ کر دینے کا عمل وہ خود نہیں کرتا، مگر جب ان امور کے ضابطے اور قاعدے مقرر کر کے تصرف کرنے والے کے تصرف کو جائز قرار دیتا ہے تو یہ خود ایسا عمل ہے جس کا دائرہ اثر اس کے اپنے تصرف سے بھی زیادہ وسیع ہے۔

کسی کا گلا گھونٹ کر مار ڈالنا ظالمانہ تصرف ہے۔ مگر اس کا مظلوم یعنی اس سے متاثر ہونے والا صرف ایک شخص ہے، مگر ایسا ضابطہ بنا دینا کہ فلاں عمل کرنے والے کو گولی مار دی جائے اور فلاں عمل کرنے والے کی جائیداد ضبط کر لی جائے۔ ایسا تصرف ہے جس کا تختۂ مشق ایک دو نہیں بلکہ لاتعداد اور بے شمار انسان ہوتے ہیں، کون نہیں جانتا کہ کسی آرڈی ننس کا جاری کر دینا ایسا تصرف ہے جو پورے ملک کے تمام باشندوں کو متاثر کرتا ہے۔

اسلام جس طرح ملوکیت اور شہنشاہیت کو انسانی بھائی چارے اور انسانی مساوات کے خلاف سمجھتا ہے وہ افرادِ انسان کی کسی جماعت یا کسی کمیٹی کو بھی وضع دستور اساسی کا اختیار دینا مساوات انسانی کے خلاف سمجھتا ہے۔

ان کا علم محدود مستقبل کی ان کو خبر نہیں، حال پر بھی ان کو پورا اختیار نہیں، وہ انسانی طبقات کے مختلف جذبات سے ناواقف، فطری رجحانات جو ایک ہی نوع کے مختلف حلقوں میں ہوتے ہیں ان سے بھی وہ پوری طرح باخبر نہیں - وہ اپنے جیسے انسانوں کے لیے قانون بنائیں اور ان کی گردنیں دستوری دفعات کے شکنجے میں کسیں۔ مساواتِ انسانی کا نازک نظریہ اس کو برداشت نہیں کرتا - اسی لیے وہ وضع قانون کا اختیار صرف اس کو دیتا ہے جو حقیقی مالک ہے اور چونکہ وہ خالق ہے لہٰذا وہ ان تمام جذبات و رجحانات سے واقف ہے جو انسانوں کے مختلف طبقات اور نوع انسانی کی مختلف صنفوں میں ہوتے ہیں اور چونکہ وہ خالق و مالک ہے اس کو حق ہے کہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے اور جو چاہے ان کے لیے دستور بنائے۔

انسان کا انسان کے لیے قانون بنانا سراسر بے محل اور ایک طرح کا جبر و قہر ہے، اس لیے قرآن حکیم ان سب کو ظالم و فاسق یا کافر قرار دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مرتب کردہ دستورِ اساسی کے خلاف کوئی دستور بنائیں یا ایسے دستور کو تسلیم کرتے ہوئے فیصلۂ خداوندی کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کریں۔ (سورہ مائدہ - آیت ۴۴ تا ۴۷)

اس نظریہ اور فکر کے بموجب جب انسان کو قانون سازی کا حق نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے دائرہ اقتدار میں نہ دستور ساز اسمبلی ہوگی نہ آئین ساز کونسل نہ ان کے انتخابات ہوں گے اور نہ وہ بے پناہ مصارف ہوں گے جو پارلیمنٹ، کونسل ان کے عہدیداروں، وزراء اور منسٹروں پر ہوتے ہیں یا ان کے انتخابات کے سلسلہ میں برداشت کیے جاتے ہیں۔

دستورِ اساسی اسلامی نقطۂ نظر سے قرآن حکیم دستورِ اساسی ہے جس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، پھر حضرات خلفائے راشدین کے طریقہ ہائے کار اور جماعتِ صحابہ کے طرزِ عمل نے کی اسی کا نام الشریعۃ، الدین اور السنۃ ہے۔

اسی دستورِ اساسی کی موجودگی میں کوئی اور دستور وضع نہیں کیا جائے گا - البتہ پیش آنے والے معاملات کے مطابق اسی دستور کے اصول مسلمہ سے ضابطے اور قاعدے اخذ کیے جائیں گے اور ان کی روشنی میں معاملات کے فیصلے ہوں گے۔

مجلس آئین ساز کے بجائے عدالت عالیہ | اپنی جان، اپنا مال، غیر کی جان اور اس کا مال، رشتہ دار پڑوسی شہری، ملکی غیر ملکی، غیر مسلم وغیرہ کے حقوق، فرائض جرائم کی حیثیت، ان کی سزائیں، جنگ و صلح کے بنیادی ضابطے، خرید و فروخت، ہبہ، عاریت، اجارہ، تحفظ، نسل، ازدواجی تعلقات وغیرہ کے ضابطے اور اصول قرآن حکیم اور سنت نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے مقرر کر کے نوعِ انسان کو وضع دستور اور قانون سازی کی الجھنوں سے آسودہ اور اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا ہے۔ صرف وہ کام باقی ہے جو کسی قانون کے پیشِ نظر عدالت کو کرنا پڑتا ہے۔

پیش آنے والے معاملات میں ہماری عدالتیں، پارلیمنٹ یا اسمبلی کے وضع کردہ دستور یا قانون کو تلاش کرتی ہیں، اس کا منشاء سمجھتی ہیں اور اس کی رہنمائی میں فیصلہ کرتی ہیں۔ اسلامی عدالتیں قرآن اور سنت کی روشنی میں فیصلہ کریں گی۔

اراضی کی ملکیت، ملکیت کی نوعیت واجبات یعنی پیداوار کے سلسلے میں سرکاری مطالبات، افتادہ اراضی کانوں اور چشموں کی حیثیت، پہاڑ، دریا، ان کی قدرتی پیداوار وغیرہ کے متعلق سوالات پیدا ہوئے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب اللہ اور سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی میں ایک مجموعہ قانون مرتّب کر دیا جو کتاب الخراج کے نام سے مشہور ہے، خلافت عباسیہ کے دور میں اسی نے آئین کی حیثیت اختیار کر لی۔ پیش آنے والے سوالات کے متعلق مجلسِ قانون ساز کی ضرورت نہیں ہوئی بلکہ اُسی آئین کے مضمرات سے جوابات اخذ کیے گئے اور انہیں کو بائی لاز (BY LAWZ) اور ضمنی قوانین کی حیثیت دی گئی۔

اسلامی نظامِ حکومت کا مقصد | دستور اساسی (کتاب اللہ و سنت رسول اللہ) اور عدالت عالیہ کے بعد معاملہ صرف نفاذ کا رہ جاتا ہے، جس کے لیے انتظامی عملہ کی ضرورت ہے۔ مقنّنہ کی نہیں، اسلامی حکومت کا پورا انتظام اس لیے ہوتا ہے کہ قانون اسلامی کو نافذ کرے اور جو حکومت اس مقصد کے لیے ہو وہی اسلامی حکومت ہے۔

تشکیل حکومت اور سربراہِ مملکت | قرآن حکیم یا احادیث مقدسہ نے تشکیل حکومت کے لیے کوئی خاص ضابطہ مقرر نہیں کیا ہے۔ صرف ایک بنیادی تعلیم دی ہے کہ سربراہ کا تقرر نسل اور خاندان

کی بنا پر نہ ہو اہلیت اور صلاحیت کی بنا پر ہو۔ یہ سربراہ کس طرح بنایا جائے۔ کتاب و سنّت نے اس کو بھی موضوعِ بحث نہیں بنایا البتہ سربراہ کے اوصاف بیان کر دیئے ہیں اور اس کے فرائض مقرر کر دیئے ہیں۔ اَب

۱۔ اسلامی مملکت کا سربراہ عوام کی آراء سے بھی منتخب کیا جا سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس انتخاب وہ اوصاف ہوں جو اسلامی مملکت کے سربراہ میں ہونے چاہئیں جو آغازِ مضمون میں بیان کیے گئے ہیں۔

۲۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سربراہ جو ان اوصاف کا حامل ہو انتخاب کے قصہ میں نہ پڑے اور خود اپنی جانب سے اپنا کوئی ایسا قائم مقام نامزد کر دے جو ان اوصاف کا حامل ہو اور عوام میں متعارف ہو۔

۳۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سربراہ جو اوصاف سربراہی کا صحیح طور پر حامل ہو اپنی جانب سے کچھ اہل الرائے حضرات کو نامزد کر دے کہ وہ آئندہ کے لیے کوئی سربراہ نامزد کر دیں جو اوصاف سربراہی سے متصف ہو۔

اسلام جبر و قہر کی اجازت نہیں دیتا، لیکن اگر کوئی اپنی طاقت کے بل بوتے پر سربراہ بن جائے تو مسلمان اس کی قیادت تسلیم کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور ایسے اوصاف کا حامل ہو جو فرائض ادا کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

خوشخبری

مکتبہ شرعیہ اردو بازار کراچی کی طرف سے علماء اور طلباء کیلئے

شرح معانی الآثار المعروف بہ "طحاوی شریف" کی آسان اردو شرح

ایضاح الطحاوی

جلد دوم

از باب التطبیق تا کتاب الجنائز، شارح: مولانا شبیر احمد قاسمی مدظلہ، شائع ہو گئی ہے۔ قیمت مجلد اعلیٰ ۱۲۰/-

قیمت جلد اول ۱۰۵/-

ناشر: تنویر احمد شریفی ملنے کا پتہ مکتبہ رشیدیہ قاری منزل پاکستان چوک کراچی

خط نستعلیق، نسخ، ثلث، رقع، دیوانی میں سرورق، طغری اور قرآنی آیات کی کتابت کا بہترین مرکز: کاشانۂ کتابت۔ کراچی

مولانا نعیم الدّین صاحب
فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

ثمرات الاوراق

کبھی کسی کو حقیر نہ جانو

بڑائی اللہ جل شانہ کی صفت ہے جو اُن کے ساتھ خاص ہے، انسان کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو کبھی بھی بڑائی کا شکار نہ ہونے دے، کیونکہ جب انسان اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے تو لازمی طور پر دوسرے اس کی نگاہ میں حقیر ہو جاتے ہیں، اور یہ صُورت انسان کے لیے انتہائی خطرناک ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھے۔ بسا اوقات وہ شخص جسے ہم حقیر سمجھ رہے ہوتے ہیں اللہ کے یہاں اس کا بڑا درجہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا اس سے خصوصی معاملہ ہوتا ہے جو ہمیں محسوس نہیں ہوتا، بعض اوقات ایسے معاملات اللہ تعالیٰ مخلوق کی ہدایت کے لیے ظاہر بھی فرما دیتے ہیں، چنانچہ ذیل میں ہم چند واقعات ذکر کرتے ہیں جن سے یہ سبق ملتا ہے کہ "کبھی کسی کو حقیر نہ جانیں"۔

ایک نوجوان کو تھپڑ مارنے کا وبال

(۱) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "حاجی صاحب فرماتے تھے کہ اُن کے استاذ حضرت مولانا قلندر صاحب جو جلال آباد میں رہتے تھے، وہ "صاحبِ حضوری" تھے، عوام محاورے میں ایسے بزرگ کو صاحبِ حضوری کہتے ہیں جس کو روز سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خواب میں زیارت ہوتی ہو، حضرت مولانا قلندر صاحب کو بھی روز خواب میں زیارت ہُوا کرتی تھی۔ جب مدینہ شریف جا رہے تھے تو کسی غلطی پر اپنے جمّال (اونٹ والے) کو جو ایک نوجوان شخص تھا۔ تھپڑ مار دیا، وہ سیّد تھا بس اسی روز سے زیارت بند ہو گئی اور اُنہیں اس کا بڑا غم ہُوا اُسی غم میں جب مدینہ منوّرہ پہنچے تو وہاں کے مشائخ سے رجوع کیا کہ کیا تدبیر کی جائے، سب نے کہا کہ ہمارے قابو سے باہر ہے، البتّہ ایک عورت مجذوبہ ہے وہ کبھی کبھی روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے آتی ہے اگر کبھی وہ آئے تو اس سے کہو۔ وہ اگر توجّہ کرے گی تو پھر انشاء اللہ زیارت نصیب ہونے لگے گی۔، وہ اس مجذوبہ کے منتظر رہے، ایک دن وہ بی بی آئیں

اُن سے اُنھوں نے عرض کیا تو اُنہیں ایک جوش ہُوا اور اُسی جوش میں اُنھوں نے روضہ اقدس کی طرف اشارہ کرکے کہا شُفْ یعنی دیکھ اُنھوں نے جو اس طرف نظر کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام تشریف فرما ہیں، جاگتے میں حضور علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہُوئے اور اپنی آنکھوں سے حضور علیہ السلام کو دیکھ لیا پھر اس کے بعد وہی کیفیّت جو حضوری کی جو جاتی رہی تھی پھر حاصل ہوگئی اور جو خواب میں زیارت ہونا بند ہوگئی تھی، وہ پھر جاری ہوگئی، گو تھپڑ مارنے کے بعد مولانا قلندر صاحب نے اس لڑکے سے معافی بھی مانگ لی تھی اور اس نے معاف بھی کر دیا تھا، لیکن پھر بھی اس حرکت کا یہ وبال ہُوا، بعد کو تحقیق سے معلوم ہُوا کہ وہ لڑکا سیّد تھا۔ (افاضات یومیہ ج ۷ ص ۲۶۰)

ایک مخنّث کا جنازہ

(۲) حضرت عبدالوہابؒ بن عبدالمجید ثقفی روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے ایک جنازہ دیکھا جسے تین مرد اور ایک عورت اُٹھائے جا رہے تھے، مَیں نے عورت کی جگہ لے لی۔ ہم سب قبرستان پہنچے اور نمازِ جنازہ پڑھ کر اُسے دفن کر دیا مَیں نے اس عورت سے دریافت کیا تیرا اس میت سے کیا رشتہ تھا؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا تھا۔ مَیں نے پھر پُوچھا کیا آپ کے پڑوسی نہیں ہیں؟ کہنے لگی ہیں تو، مگر اُنھوں نے اسے حقیر سمجھا، مَیں نے پھر پُوچھا یہ کیا تھا؟ عورت نے جواب دیا یہ مخنّث (ہیجڑا) تھا، عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ مجھے اس پر رحم آیا مَیں اسے اپنے گھر لے گیا اور مَیں نے اسے پیسے، گندم اور کپڑے دیے، جب رات کو سویا تو خواب میں ایک شخص آیا جس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح تھا اور اس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے، اس نے میرا شکریہ ادا کیا، مَیں نے پُوچھا تو کون ہے؟ جواب دیا مَیں وہی مخنّث ہُوں جسے تم نے آج دفن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے بخش دیا کہ لوگ مجھے حقیر جانتے تھے۔ (رسالہ قشیریہ ص ۲۲۱)

حبیب عجمیؒ کے پیچھے نماز

(۳) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔
حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نہایت جامع بزرگ تھے، محدّث بھی، مفسّر بھی، صوفی بھی، قاری بھی، ایک بار حضرت حبیب عجمیؒ شب کو نفل نماز پڑھ رہے تھے، حضرت حسن بصریؒ ادھر کو گزرے، خیال ہُوا کہ اُن کے ساتھ شریک ہو جاؤں، پھر اُن کا قرآن سُن کر اُن کی اقتداء نہیں کی، کیونکہ وہ عجمی تھے۔ رات کو خواب میں حق تعالیٰ کی زیارت کی عرض کیا۔

"دُلَّنِیْ عَلٰی اَقْرَبِ الطُّرُقِ اِلَیْکَ" اپنے وصال کا قریب ترین راستہ بتلا دیجئے۔

جواب ملا،

"اَلصَّلٰوۃُ خَلْفَ الْحَبِیْبِ الْعَجَمِیِّ" حبیب عجمیؒ کے پیچھے نماز پڑھنا

(ملفوظات حسن العزیز جلد اوّل ص ۱۶۰)

حضرت جنیدؒ کا دل میں کسی پر اعتراض

(۴) حضرت جنید رحمہ اللہ نے مسجد میں ایک شخص کو دیکھا کہ خوب قوی اور تندرست موٹا تازہ ہے اور بھیک مانگتا ہے، اُنھوں نے اپنے دل میں اس پر طعن اور اعتراض کیا، رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی مُردے کا گوشت کھانے کو کہتا ہے، اور اِن کے انکار پر کہتا ہے کہ تم نے آخر اس فقیر کی غیبت کر کے مُردے کا گوشت کھایا نہیں تھا، اُنھوں نے کہا کہ مَیں نے تو اس کو کچھ نہیں کہا جواب ملا کہ کیا غیبت دل میں نہیں ہوتی، بلکہ اوّل تو دل ہی میں پیدا ہوتی ہے۔

ے ان الکلام لفی الفواد وانما جعل اللسان علی الفواد دلیلا

(بیشک کلام تو دل ہی میں ہوتا ہے، البتہ زبان کو دل کا ترجمان بنایا گیا ہے۔)

آپ بیدار ہو کر چلے معاف کرانے کے لیے، اس شخص نے آپ کو آتے دیکھ کر دُور ہی سے یہ آیت پڑھی۔

هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ

(وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں کی)

اور پھر فرمایا کہ پھر ایسا نہ کرنا۔ (الرفیق فی سواء الطریق ص ۴۶)

بقیہ: حاشیہ مکتوب گرامی

اتباع میں عار و ننگ محسوس نہ ہو، اور ایسے شخص پر کسی کی وجاہت ظاہری کا بیجا اثر نہ ہونے پائے، گو قبول عنداللہ کے لیے شرافت نسب کی بالکل حاجت نہیں اور نہ اسلام نے اپنے نسب کو بدلنے کی اجازت دی ہے کہ خواہ مخواہ اپنے کو سیّد صدیقی، فاروقی، عثمانی، انصاری اور علوی ظاہر کریں۔ یہ گناہ ہے حضرت امام العصر کو حق تعالیٰ نے اگر ایک طرف عقلی و فراست، علم و عمل اور خلعت امامت سے نوازا تو دوسری جانب شرافت نسبی اور وجاہت خاندانی سے

(مکتوب نمبر ۱، جلد ۱، صفحہ ۶)

دَارُالافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

...ن و مستفسرین کے اسماء
...ہی خود ان کی ہی مصلحت کے
...ں نظر محذوف...

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد زیدمجدہم مدرس نائب مفتی وفاضل جامعہ مدنیہ

سوال:

زید کے پاس تقریباً ایک لاکھ روپیہ نقد موجود ہے اور وہ اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو حصّہ دینا چاہتا ہے، جبکہ اُس کی اولاد میں دو لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں اور سب شادی شُدہ ہیں۔ عرض ہے شرع کی رو سے لڑکوں کا کتنا حصّہ ہے اور لڑکیوں کا کتنا حصّہ بنتا ہے اور زید کی بیوی بھی ہے جبکہ ان اولادوں کی حقیقی ماں انتقال کر چکی ہے۔ شرعاً جواب سے آگاہ کریں۔

جواب:

آدمی اپنی زندگی میں جو کچھ اولاد کو دے وہ ہبہ ہوتا ہے اور اولاد کو ہبہ کرنے میں لڑکے لڑکیوں میں برابری کرنا چاہیے، لہٰذا زید بیوی کو بقدرِ ضرورت (جو آٹھویں حصّہ سے کم نہ ہو) دے کر باقی اولاد میں برابر برابر تقسیم کر دے۔

سوال:

ایک شخص کو زید فرض کر لیا جائے زید کی بیوی عرصہ چار سال سے اپنے ماں باپ کے گھر گئی ہوئی ہے۔ خاوند یعنی زید نے کئی دفعہ صلح کی کوشش کی، مگر زید کی بیوی کے ورثاء زید کو اُس کی بیوی واپس دینے سے انکاری ہیں، بلکہ طلاق کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن زید اپنی بیوی کو طلاق دینے پر راضی نہیں اگر زید اپنی بیوی کو اُس کے ورثاء کے اصرار پر طلاق دے دے تو آیا زید پر حق مہر ادا کرنا ہوگا یا نہیں اگر ادا کرنا ہوگا تو کتنا اور کس صورت میں ادا کرنا ہوگا۔

۲ مذکورہ زید کی اس بیوی سے ایک لڑکی بھی ہے جس کی عمر تین سال چار مہینے بائیس دن ہے۔ اب اگر زید کی بیوی زید سے لڑکی کو دُودھ پلانے کا معاوضہ مانگے تو زید پر معاوضہ لازم ہے یا نہیں اگر ہے تو پھر کتنا ہے مہینے کے اعتبار سے یا سال کے اعتبار سے۔

۳۔ مُدّت رضاعت کتنی ہے یعنی ماں لڑکی کو کتنا عرصہ دُودھ پلا سکتی ہے۔

۴ مذکورہ زید اپنی لڑکی کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں یعنی زید اگر اپنی بیوی کو طلاق دے تو بعد از طلاق لڑکی کس کے پاس رہے گی زید اپنی لڑکی کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے کیونکہ زید کی بیوی کے ماں باپ کا گھریلو ماحول بہت خراب ہے یہاں تک کہ ان کے گھر پر پولیس نے چھاپہ مارا کسی مخبر کی مخبری پر ان کے گھر سے شراب برآمد ہُوئی جس کا کیس مقامی مجسٹریٹ کی عدالت میں چل رہا ہے اور اُن کے گھر بدمعاش، غنڈہ، زانی صفت لوگوں کا آنا جانا ہے۔ جس کی وجہ سے محلہ کے لوگ بھی پریشان ہیں اس لیے زید اپنی لڑکی کو اپنے پاس لے آنا چاہتا ہے کیونکہ لڑکی کی اپنی ماں کے پاس رہنے سے تربیت صحیح نہیں ہوگی اور دینی تعلیم سے ناواقفیت بھی ہوگی۔ جبکہ زید اسے دینی تعلیم دینا چاہتا ہے۔

۵۔ اگر ایک آدمی کا کردار ٹھیک نہ ہو یعنی بُرے فعل کا مرتکب ہو گناہ کبیرہ کا عادی ہو تو آیا ایسا شخص عدالت میں بطورِ گواہ پیش ہو سکتا ہے یا نہیں۔

مذکورہ بالا مسائل کا شریعت کی رو سے جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

جواب:

۱۔ اس طرح طلاق دینے سے حق مہر کی ادائیگی کرنی برقرار رہے گی۔ البتّہ اگر زید اپنی بیوی سے خلع کرلے تو اگر مہر ابھی ادا نہ کیا ہو تو معاف ہو جاتا ہے۔

۲۔ زید کی بیوی لڑکی کو دُودھ پلانے پر اُجرت طلب نہیں کر سکتی۔

۳۔ مُدّت رضاعت دو سال ہوتی ہے۔

۴۔ ویسے تو نو سال کی عمر تک ماں کو لڑکی کی پرورش کرنے کا حق ہوتا ہے، لیکن اگر ماں کا کردار ایسا ہو مثلاً وہ خود زنا وغیرہ میں مبتلا ہوتی ہو کہ جس سے بچّی کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو باپ بچّی کو پہلے ہی لے سکتا ہے۔

۵۔ ایسا شخص اگر بطورِ گواہ عدالت میں پیش ہو جائے تو شریعت کی رو سے یہ عدالت کی ذمہ داری

ہے کہ اس کے کردار کو معلوم کرے اور اگر اُس کی سچائی کے دیگر قرائن نہ ہوں تو اس کی گواہی کو رد کر دے۔

سوال :

حدیث مبارک میں آتا ہے مرنے کے بعد قبر میں مردے سے سوال ہوتے ہیں جن میں ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے ما تقول فی ھٰذا الرّجل الذی بعث فِیکم اس سوال میں اسم اشارہ ہے اور یہ اشارہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف کیا جا رہا ہے کیا مُردے کو حضُور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مثالی صُورت دکھائی جاتی ہے یا ذاتِ اقدس دکھائی جاتی ہے اگر مثالی صورت مان لی جائے تو غیر نبی کو نبی ماننا ہے اور اگر ذات اقدس مان لی جائے تو حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

جواب :

ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

ما تقول فی ھذا الرجل قال من (فرشتے پُوچھیں گے) تو اُن صاحب کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ قال محمّد فیقول الخ مُردہ پُوچھے گا کون صاحب ؟ وہ کہیں گے محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم معلوم ہُوا کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نہ تو کوئی صورت سامنے ہوگی اور نہ ہی ایسا ہوگا کہ حجاب دُور کر دیے جائیں اور میّت آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھتی ہو کیونکہ میت کا پُوچھنا کہ تم کس شخص کے بارے میں پُوچھ رہے ہو۔ دلالت کرتا ہے کہ مذکورہ صُورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہوگی۔ اور میت کے پُوچھنے پر وہ کہیں گے "محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم" یہ نہیں کہیں گے کہ یہ صورت والے۔ یہی وجہ ہے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔ (ص ۱۹۹ ج ۱)

ھذا الرجل اللام للعھد الذھنی و فی الاشارۃ ایماء الی تنزیل الحاضر المعنوی منزلۃ الصوری مبالغۃ۔ (ترجمہ : الرجل میں لام عہد ذہنی کا ہے اور ھذا میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں معنوی موجود چیز کو مبالغہ کی رو سے بمنزلہ صوری (صورت رکھنے والی) کے کیا ہے۔

اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

لا یلزم من الاشارۃ ما قیل من رفع الحجب بین المیت و بین النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم حتی یراہ و یسئل لان مثل ذلک لا یثبت بالاحتمال۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ میت اور نبی

(باقی صفحہ ۵۵ پر)

برگِ سنا

طب

جناب حکیم نور احمد صاحب زید مجدہ

صحّت برقرار رکھنے، جوڑوں اور اعصابی دردوں کے لیے شافی علاج

تاجدار مدینہ جناب کالی کملی والی سرکار نے فرمایا "عَلَیْکُمْ بالسنا فَاِنَّھَا شِفَاءٌ مِّنْ کُلِّ دَاءٍ اِلَّا السام"۔

یہ حدیث مبارک مستدرک، حاکم، ابن ماجہ، ترمذی اور زاد المعاد جیسی مستند اور مشہور احادیث کی کتابوں میں قیامت تک دُنیا والوں کو سدا جوان رکھنے کی خوشخبری سُناتی رہے گی۔ صدیوں پہلے حجاز مقدّس میں یہ عطا بخش پودا پھلنا پھولنا شروع ہُوا۔ دوسری صدی سے اس مبارک پودے کی کاشت بھارت اور پاکستان میں شروع کی گئی۔ بین الاقوامی منڈیوں میں اسے سناء مکی کے نام سے فروخت کیا جاتا ہے۔ اپنے شفا بخش اثرات کی وجہ سے پاکستانی سنا کے پتے بھی سنا مکی جیسے شفائی اثرات رکھتے ہیں۔ قدرت کے کیمیا گر نے اس شفا بخش دوا میں انسانی بدن سے ہر قسم کے زہریلے مادے خارج کرنے کی خاصیّت پیدا کر دی ہے۔

آج کل کولسٹرول، بلڈ پریشر، معدے کی تیزابیت سے دُنیا بھر کے باشندے پریشان ہیں۔ اللہ کریم نے یہ شفائی پودا ان بیماریوں سے شفا حاصل کرنے کے لیے ہر جگہ سستے داموں مہیّا کر دیا ہے۔

نزلہ اور زکام جیسی روزمرّہ ہونے والی بیماریاں اس کے پتوں کے چند روزہ استعمال سے دُور ہو جاتی ہیں۔ حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم پیٹ صاف کرنے کے لیے کونسی دوا استعمال کرتی ہو۔ جواب دیتے ہُوئے حضرت اسما رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ شُبرم کا استعمال کرتی ہُوں۔ آقائے دوجہاں صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ یہ تو بہت گرم مسہل دوا ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور سنا کے پتے بھی استعمال کرتی ہوں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خوشی کا

اظہار فرماتے ہُوئے ارشاد فرمایا کہ" لو انّ شیًاً کان فیہ شفاءٌ من الموت لکان فی السنّاء۔

حکیم صاحبان طبِ نبوی کے احکامات کو دل وجان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔صدیوں سے حکیم صاحبان پُرانی اور ہٹیلی بیماریوں کا علاج سنا کے پتے سے بنائے ہُوئے معجونوں، سفوفوں اور جوشاندوں سے کامیابی کے ساتھ کر رہے ہیں، مُلک بھر کے مشہور دواخانوں میں معجون سورنجان سفوف سورنجان روزانہ بے شمار مریض خرید کر دولت صحت سے خوشیاں حاصل کر رہے ہیں۔ سنا اور اس کے مرکبات نزلہ، زکام، سر درد وغیرہ دماغی امراض میں گھر بھر کی بڑی بوڑھیاں بھی اپنے عزیزوں اور ملنے والوں کو شفا حاصل کرنے کے لیے بطور دوا استعمال کرنے کا مشورہ دیتی رہتی ہیں۔ اکثر بزرگ پُرانے حکیموں کے بتلائے ہُوئے سنا کے مرکبات زبانی بتا دیا کرتے ہیں۔

اپنے ساٹھ سال سے زیادہ عرصے کے علاج ومعالجے کے دوران سنا کی پھلیوں کے حیرت انگیز شفا بخش اثرات میں نے مشاہدہ کیے ہیں۔

کمر درد کے لیے اور پُرانے مریضوں میں رات کے وقت سنا کی پھلیاں پانچ سے گیارہ تک اور سونف آدھ سے ایک تولہ تک اور مغز بادام سات سے گیارہ تک رات ایک پاؤ پانی میں بھگو کر بطور ناشتہ چبا کر صُبح دُودھ یا چائے پینے کی ہدایت کرتا ہُوں۔ خدا کے فضل وکرم سے نئے مریض ہفتہ دو ہفتے اور پُرانے مریض پانچ سات ہفتوں میں اس خوش ذائقہ اور لذیذ ناشتے کے استعمال سے صحت یاب ہو جاتے ہیں۔

لنگڑی کا درد جیسے ایلوپیتھ شیاٹیکا۔ حکیم صاحبان وجع عرق النساء اور عوام النّاس رینگن کا درد کہتے ہیں۔ بقدر تکلیف دینے والا مرض ہے۔ اس کا مریض چلنے پھرنے میں پاؤں پر دباؤ دینے سے عاجز ہوتا ہے سہارا لے کر اور مشکل سے چند قدم بگڑی لنگڑی چال سے چل کر قدم زمین پر سیدھا رکھنے کے قابل ہوتا ہے اس موذی مرض میں بھی سنا کی پھلیاں بہت کار آمد ہیں۔ صُبح کے وقت لہسن یعنی مقوم کی درمیانی گیارہ سے اکیس تڑیاں یعنی پوتھیاں جو ہمارے گھروں

ہو رہا ہو چھوڑیں۔ نرم آگ پر بھونے جانے کی حالت میں جب لہسن کی تُریاں سُرخ ہو جائیں تو اس میں ایک مُرغی کا انڈا ملا کر فرائی یا ہاف بوائل کر لیں۔

بریاں کرنے سے لہسن کی تیز اور ناپسند بو میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔ پہلے سنا کی پانچ سات پھلیاں چبا کر کھا لیں۔ اس کے ساتھ یہ انڈا گھی اور لہسن کی بریاں پوتھیاں کھا کر چائے کی پیالی نوش کر کے ناشتہ ختم کر دیں۔ روزانہ ہفتہ دو ہفتے اس خوش مزہ ناشتے سے خدا کے فضل سے لنگڑا کر چلنے والا رینگن کا مریض صحّت یاب ہو جائے گا۔

جوڑوں اور عضلاتی دردوں کے مریضوں کے لیے سنا کے پتّے بازار سے خرید کر ڈنڈیاں جُدا کر کے صرف پتے جدا کر لیں یہ پتے سونٹھ، اسگندھ اور سورنجان شیریں چاروں دوائیں ہم وزن یعنی ایک ایک چھٹانک کسی حکیم صاحب کے دواخانے یا پنساری دیسی دوائیں فروخت کرنے والوں کی دوکان سے خریدیں اور چاروں دواؤں کو جدا جدا کوٹ کر اس میں چاروں دواؤں کے برابر کھانڈ باریک پسی ہُوئی ملا کر دوبارہ پیس کر اچھی طرح یکجان کر کے چوڑے مُنہ والے جار یا شیشی میں سنبھال کر رکھ لیں۔ یہ تیّار دوائی ایک سے تین چائے والے چمچے بھر کر مریض کی عمر اور طاقت کے مطابق استعمال کرانے شروع کر دیں۔ خدا کے فضل سے دو تین ہفتے استعمال کرنے سے نئی اور چار پانچ ہفتے تک اسے صبح و شام کھانے والے مریض اس تنگ کرنے والی مرض سے نجات حاصل کریں گے۔

یہ تیّار کی گئی دوائی ہلکی قبض کشا ہے۔ اس کے استعمال سے اگر زیادہ دست آئیں تو دوائی کی مقدار کم کر سکتے ہیں۔ غذا میں نان اور روٹی چھوڑ کر کھچڑی، پلاؤ اور دُودھ چاول کا استعمال کریں۔

بقیہ: دارالافتاء

صلّی اللہ علیہ وسلّم کے درمیان میں سے پردے ہٹا دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ میت آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھ لیتی ہے۔ پھر اس سے سوال کیا جاتا ہے تو اشارہ سے یہ لازم نہیں آتا کیونکہ ایسی بات محض احتمال سے ثابت نہیں ہو سکتی۔ (مرقات ج ۱ ص ۱۹۹)

جمعیۃ العلماء کیا ہے؟

بحکم

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

مرتبہ

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ

شعبۂ نشر و اشاعت

جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

ملنے کا پتہ: مکتبہ محمودیہ، جامعہ مدنیہ، کریم پارک، لاہور